# "NAZRIA-E-MEHDI"

viz

## Vision of Super-reformer!



A treatise of illuminating articles on the theory of the promised Super-reformer in perspective. It contains a dynamic forecast of an inevitable world-wide revolution (surpassing "Prometheus Unbound") during the next 15 years.

by

M. HASSAN LATIFI (Journalist)

'Château'
Wakefieldgunj
Ludhiana.

First Edition:
Sept. 1933

# ایس حبیب وفا

کے

نام

جن کے اسم گرامی کو اسلامیہ سکول کدبانہ اور اُس کے سابق ہمعصر طلباء سے ایک دیرینہ نسبت ہے اور جن کے زمانہ طالبعلمی کی یاد میرے دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتی،

جو ۱۹۲۹ء کی تحریک ہجرت میں وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان کی سرحد کے پار سر بفلک پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے بالآخر روس کے دارالخلافہ تک پہنچ گئے،

جنھوں نے بے نوائی اور جلاوطنی کی حالت میں اپنے عزم و استقلال سے یہاں تک ترقی کی کہ چند سالوں کے اندر یورپ تک شہرت کی دھوم مچ گئی،

جو اس وقت ایک باکمال ادیب، ایک زبردست تمثیل نگار اور بلند پایہ فوجی افسر ہیں، نیز مملکت سوویٹ میں ایشیا کی آزادی کے لئے اب تک کوشاں،

اس دعوتِ عمل کے ساتھ :-

بیا کہ سرکشی، سرکشاں بگردانیم، بیا کہ بندگی، بندگاں بگردانیم،

درآ به جیش که فگنیم غلغله در شرق
بیا که مرگ جمود امان بگردانیم

ہنوز خام دلی، لرزه گیر دار و رسن
بیا که عافیت بزدلان بگردانیم

شباب و شیب اثر خورده حشیش فرنگ
بیا که فطرت پیر و جوان بگردانیم

مزاج آب و گل دہر مائل تخریب
بیا بیا که سرشت جہان بگردانیم

فتاده ایم به راہے که می رسد به فنا
بیا که رہگذر کاروان بگردانیم

کہن پرستی ہند، ابتذال ذوق نیاز
بیا که نقشۂ این آستان بگردانیم

حذر ز شیخ و برہمن که آں ہمه کافر
بیا که کفر ز ہندوستان بگردانیم

به سرفروشی، ارزاں وفائے ما رسوا
بیا که مصرف تسلیم جان بگردانیم

متاع قافلۂ پا شکسته در خطر است
بیا که رہزنی رہزنان بگردانیم

ہزار انجمن اینجا میان آویزش
بیا که کشمکش این و آن بگردانیم

ز گنج عشق طلب ہائے عقل بے خبر اند
بیا که کاوش سود و زیان بگردانیم

بیار باده، برافروز شام تیره و تار
بیا بیا غم این خاکدان بگردانیم

دیار ہند تنک مایه و تنک حاصل
بیا که کاہش بے مائگان بگردانیم

وطن ز ماتم تاراج برگ و بار تپید
بیا که حسرت آزردگان بگردانیم

حدیث ماست سراپا غلامی دگرے
بیا که سلسلۂ داستان بگردانیم

ز اشتراک نگاه و خیال و عزم و عمل
بیا که قسمت ہندوستان بگردانیم

۲۰ اگست ۱۹۳۳ء

لطیفی

# تمہید

حکایت از قدآں یار دلنواز کنیم
بہ ایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

میں لطیفی صاحب کو اس وقت سے جانتا ہوں جب انھوں نے پہلے پہل اپنے آپ کو جاننا شروع کیا اور گو اس واقعہ کو آج ایک عرصہ گذر چکا ہے لیکن اس دوران میں ان کی زندگی کا ایک سانحہ بھی ایسا نہیں جو میرے علم میں نہ ہو اور ان کی ایک حرکت بھی ایسی نہیں جسے میں نے نظر انداز کر دیا ہو یا نہ سمجھا ہو' اس دعوے کے بعد اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ موصوف کی زندگی کن کن خصوصیات کی حامل ہے تو میں بلا تکلف کہہ دونگا کہ جن میں تبدیلی نہ ہوتی ہو' حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے ان کے دماغ کو ابتدا ہی میں وہ معراج عطا کر دی تھی جس کے بعد ترقی کی گنجائش باقی نہیں رہتی' حضرت نیاز فتحپوری کے مندرجہ ذیل الفاظ سے جو انھوں نے "مطالعہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے سپرد قلم کئے میرے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے :-

"جناب لطیفی صاحب حال ہی میں لندن سے فن صحافت کی تکمیل

کر کے واپس آئے ہیں اور سن و سال کے لحاظ سے آپ کا شمار عرفی

کی طرح قبل از وقت پختہ ہو جانیوالی (Precocious)

ہستیوں میں سے ہے" "نگار" بابت جون ۳۲ء

لطیفی صاحب کی اس خصوصیت کو تسلیم کر لینے اور انکی صدہا رنگین تحریروں کو قابل توجہ سمجھنے کے بعد کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم "نظریہ مہدی" ایسے اہم مسئلہ کو در خورِ اعتنا خیال نہ کریں اور مجذوب کی بڑ سمجھ کر درگذریں،

جہانتک میں سمجھ سکا ہوں اس مسئلہ کیطرف سب سے پہلے یحیٰ بن عقبؓ کی اس زندہ جاوید نظم نے لطیفی صاحب کی توجہ کو مبذول کیا جس کا کچھ حصّہ "مطالعہ" کی پیشانی پر عرصہ تک چھپتا رہا ہے، ان سطور کی اشاعت کا مقصد اور ارضِ لُد کو لُد ہانہ سے جو نسبت ہے اُسے علاوہ لطیفی صاحب کے شاید میں نے سب سے پہلے سمجھا اور اس کی اطلاع ایک خط کے ذریعہ دی جو "مطالعہ" کے پیغان نمبر میں شائع ہوا تھا، بدقسمتی سے یہ خط ہی لطیفی صاحب پر ایک نئی تہمت تراش گیا یعنی کہ انھیں اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ ہے! موصوف اپنی برأت بخوبی کرا چکے ہیں اور انکے بیان کو پڑھنے کے بعد انھیں کسی اس نوع کی تہمت سے متہم کرنا صریحًا زیادتی ہے، آپ کے الفاظ ہیں :-

"میں واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ادعائے مہدیت کا مرتکب نہیں ہوا اور جن لوگوں نے اس امر کی تشہیر کی ہے وہ میرے پوسٹروں کو نہیں سمجھ سکے ———"

اس کے بعد میں اپنے خط کا وہ اقتباس درج کرتا ہوں جس کا تعلق براہ راست "نظریہ مہدی" سے ہے :۔

"ـــــ لطیفی صاحب! مجھے آپکے مستقبل کا اس درجہ علم ہے کہ اس کا تھوڑا سا اظہار بھی مجھ پر کفر والحاد کا فتویٰ لگوا دینے کے لئے کافی ہے ـــــ"

میں مانتا ہوں کہ یہ سطور لطیفی صاحب کی مہدیت کی تائید میں بھی لکھی جا سکتی ہیں لیکن حاشا میرا مطلب اس سے یہ نہ تھا۔ امام مہدی کے متعلق ہندی مسلمانوں کا نظریہ اس قدر عجیب ہے کہ کسی فرد بشر کا یہ کہہ دینا کہ امام مہدی پنجاب کے رہنے والے ایک شریف انسان ہونگے اس کے حق میں نعوذ باللہ خدائی دعوے کرنے سے زیادہ خطرناک نہیں اور لطیفی صاحب نے تو اشارۃً وقت اور جگہ تک کا تعین کر دیا ہے ـــــ!

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قصہ کو چھیڑنے سے ہمارے مصنف کا مدعا کیا ہے! وہ کیا ایسی ضرورت ہے جس نے اسے اس "سخن نگفتنی" کو "قلندرانہ" انداز میں کہنے پر مجبور کیا؟ کونسی ایسی بات ہے جو وہ دنیا کو بتلانا چاہتا ہے اور دنیا نہیں جانتی؟

"مہدی ہر وہ مسلمان ہے جو اللہ کے راستے میں سر کٹانے کیلئے نکلتا ہے"

کہنے والے کا مطلب کھلے لفظوں میں یہ ہے کہ ہر اس مسلمان پر جس کے دل میں جذبہ سرفروشی موجود ہو مہدی ہونے کا شک کیا جا سکتا ہے! اور اگر اس قسم کا کوئی شخص بھی کسی وقت ادعائے مہدیت کرے اور اپنے اقوال و افعال سے اپنا حق ثابت کر دے

تو ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیئے کہ اجی وہ ــــ! وہ، اس کا بیٹا ــــ اُس کا بھائی!
ــــ اجی مہدی بن بیٹھا!

فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے انسانوں، عام آدمیوں میں سے ایک میں چند نیک صفات پیدا کر دی جائیں، اس کے استقلال کا امتحان لیا جائے اور اگر وہ اس میں پورا اُترے تو اس کو مہدی کہہ دیا جائے،

مذہب سے قطع نظر دنیا کی بڑی بڑی ہستیوں، پیغمبروں اور اوتاروں کے متعلق میرا نظریہ تو یہ ہے کہ وہ مامور من اللہ ہونے کے علاوہ اپنے میں چند ایسی خصوصیات بھی رکھتے تھے جن کا تعلق براہ راست ان کے اپنے اعمال سے ہوتا تھا، ان میں نہ قدرت کا دخل ہوتا تھا، نہ قسمت کا، اور اگر آپ یہ کہیں کہ تمام برگزیدہ انسانوں کے افعال میں اُن کی خود مختارانہ قوتِ عمل کا جزو نہیں تھا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن روئے زمین کے تمام انسانوں کی روحیں بارگاہِ خداوندی میں یک زبان ہو کر عرض کریں گی کہ اے کون و مکاں کے مالک! جب تیرے اختیار میں تھا تو تُو نے یہ سعادت ہمیں کیوں نہ بخشی اور راندۂ درگاہ کیوں ٹھہرایا؟

اس کے بعد قدرت کو اپنا نظامِ عمل بدلنا پڑیگا، نہ گنا ہگاروں کو سزا دی جائیگی اور نہ برگزیدہ ہستیوں کو آسمانی بلندیوں پر مسند آرائی کا موقع ملیگا، نہ تو جنت زاہدانِ ارضی کا دل لبھا سکیگی اور نہ دوزخ کی آگ معصیت زدہ روحوں کو ڈرا سکیگی، تو کیا قدرت کا

نظام ایسی بودی بنیادوں پر قائم ہے کہ دنیا کی ارذل مخلوق کا ایک وار بھی نہ سہ سکے اور پاش پاش ہو جائے؟ نہیں نہیں، کم از کم مسلمانوں کا خدا اتنا بے انصاف نہیں کہ ایک عام انسان کو جس میں قوتِ عمل مفقود ہے، جو اپنی ذات میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں رکھتا جسے وہ اپنی کہہ سکے خواہ مخواہ اپنی بارگاہ میں باریاب کرے، یوں تو وہ خالق ہے چاہے تو دنیا کے کسی ناکارہ سے ناکارہ انسان کے ماتھے پر مُہر لگا دے کہ یہ مہدی ہے۔ اے میرے بندو! آؤ اور اسے مہدی کہو! دُنیا اُسے مہدی تسلیم کرلیگی! لیکن یہ تو صریحاً آئینِ خداوندی کے خلاف ہے، تاریخ کے ورق اُلٹتے جائیے، مدوجزرِ اسلام پر نگاہ ڈالئے ہر جگہ عمل فائق نظر آئیگا، راہ نورد بھٹکتے پھر رہے ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں، راستے میں پہاڑ حائل ہیں، صحرا ہیں، سمندر ہیں، آندھیاں ہیں، طوفان ہیں، غرقاب چٹانیں ہیں لیکن عمل ہے جو انھیں اُبھارتا ہے تائیدِ غیبی نہیں! اُس کی مثال تو اندھیری رات میں بجلی کی چمک کی سی ہے — چمکی، چمکی نہ چمکی، نہ چمکی، چلنے والے کے راستے میں ایک خوفناک غار دکھلا دیا اور غائب ہوگئی۔ اب اس کا عمل ہے، خواہ سر پھوڑ کر مر جائے خواہ ہمت کرے اور پار ہو جائے،

پھر جب عمل ہی سب کچھ ٹھہرا تو کسی جانباز کا یہ کہدینا کہ "اے دنیا والو! آؤ اور اپنے اعمال کو صالح بناؤ۔ نہ جانئے بارگاہِ ربانی میں تمہارے افعال قبولیت

کی نظروں سے دیکھے جائیں اور تائید غیبی جس کا ساتھ دے وہ ترقی کی معراج حاصل کرلے" کونسا ایسا جرم ہے جس کی پاداش میں اُسے کُشتنی، سوختنی، اور گردن زدنی خیال کیا جائے؟ کیا یہ ایک تحریک لاکھوں قلوب پرتازیانے کا کام نہیں دے گی؟ کیا زندگی کی دوڑ میں کروڑہا بندگان خدا جو غفلت کی نیند سورہے ہیں حصّہ نہیں لینے لگیں گے؟ کیا یہ آواز انسانوں کو ان کے فرائض کی طرف نہیں بلاتی اور کیا دوسرے معنوں میں یہ آواز مستجابی کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتی کہ اے مالک! ہم سب تیرے احکام کی تعمیل میں مصروف ہیں اب تو جسے چاہے سرخرو کرتا کہ ہم ایک مرکز کے گرد جمع ہو جائیں!

جس دن سے لطیفی صاحب کے ذہن میں یہ بات سمائی تھی انھیں خطرہ لگا ہوا تھا کہ کہیں ان کے متعلق غلط فہمیاں نہ پیدا ہو جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ خطرہ بے بنیاد بھی نہ تھا، مسئلہ مہدی مذہب سے تعلق رکھتا ہے اور ہندی مسلمانوں کا تخیل امام مہدی کے متعلق اتنا نرالا ہے کہ اس شبیہہ اور خاصیتوں کا انسان روئے زمین کا ساکن نہیں ہو سکتا، چنانچہ موصوف نے اکثر جگہ اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کیا ہے، ان کے بیشمار خطوط راقم الحروف کے نام ایسے ہیں جن میں انھوں نے مجھے اس خطرہ سے آگاہ کیا، بارہا زبانی گفتگو میں اس کا ذکر آیا، ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے جب آپ یورپ سے واپس آنے پر مجھے ملنے کے لئے سرگودھا تشریف

لائے، میرے ہاں چار دن کے قریب قیام رہا اور اس عرصہ میں شاید دو راتیں تو انھوں نے رو کر ہی گذار دیں، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی اہم ذمہ داری کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں، میں ان کی اس تحریک سے بے خبر نہ تھا، لیکن میرا خیال تھا کہ نظریہ مہدی دعویٰ مہدیت تو نہیں کہ لوگ مخالفت پر اتر آئیں گے مگر میں نے ہندوستانی ذہنیت کا اتنا دقیق مطالعہ نہیں کیا تھا جتنا لطیفی صاحب نے، وہ بار بار سسکیاں لیکر یہی کہتے تھے کہ اس قسم کی غلط فہمیاں ضرور پیدا ہونگی، اور تم سے بحیثیت دوست کے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے انکا ازالہ کرنا ذیل میں ایک خط کا اقتباس درج کرتا ہوں جسمیں لطیفی صاحب نے ان غلط فہمیوں کا اظہار احساس کیا ہے :-

"Your memorable letter (which was published in the "Mutalaa") will always serve as a source of encouragement from one who understands the person about whom there are thousands of misconceptions —— You are perhaps the only person who has faith in me and comprehends my designs ——."

آخر میں میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو ظفر الملت کے الفاظ
میں یوں آگاہ کرتا ہوں ؎

"یہ مہدی کی آمد کے ساماں ہیں سارے
پیمبر کے وعدے قریب آ رہے ہیں"

کرۂ ارض کا چپّہ چپّہ منّت کشِ انتظار ہے، ذرہ ذرہ ہمہ تن گوش ہے
وہ وقت دُور نہیں کہ ترجمانِ حقیقت کی ندا

اے سوارِ اشہب دوراں بیا!

کے جواب میں کوئی شہسوار صفوں کو چیرتا ہوا سامنے آجائے، تقاضائے
عقل یہی ہے کہ ہم بھی اس نامعلوم "حقیقتِ منتظر" کا "لباس مجاز"
میں انتظار کریں اور اس کے استقبال میں اپنی آغوش شوق وا رکھیں میں
مسلمانان عالم کو اس خطرے سے بھی آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو مستقبل
قریب میں صدہا جھوٹے مہدیوں کے اُمنڈتے ہوئے سیلاب کی صورت
میں رونما ہوگا، اس موقع پر صحیح راستہ یہ ہے کہ بجائے مدعیانِ کاذب
کی مخالفت کرنے کے ان سے دعوئ مہدیت کی تائید میں ثبوت طلب کیا
جائے اور انکی زندگی کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے، صریحاً جھٹلانے سے جہاں
کاذبین کے صدہا ہوا خواہ پیدا ہو جائیں گے (کیونکہ ترقی کے اس دور میں

بھی صدہا بندگانِ خدا کا ایمان "علم الیقین" پر مبنی ہے) وہاں امام صادق کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہو جائینگی،

ناجانئے قومی اصلاح کا کام خدا کو کن ناتوان[ا] ہاتھوں سے کروانا منظور ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ "پائنیر" کو جواب دیتے وقت لطیفی صاحب نے ایک ایسا درخشاں فقرہ لکھا تھا کہ اگر اس کی ذرہ بھر صداقت کا بھی احساس کیا جائے تو تاریخ عالم میں زرّین حروف سے لکھے جانے کے قابل ٹھہرے آپکے الفاظ ہیں:-

"—— I am convinced I have correct solutions for all the painful problems now galling the humanity at large."

میں اپنے بیان کو خدا سے اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ وہ اپنے وعدے پورے کرے تاکہ ہمیں زبانِ حال سے یہ نہ کہنا پڑے ؎

اس کے ایفائے عہد تک نہ جئے     عمر نے ہم سے بیوفائی کی

(مرزا معمول حسن انور)

---

ا۔ O Love! Who bewailest
The frailty of all things here,
Why choose you the frailest
For your cradle, your home and your bier.
—— Shelley

# اشاعت دوم

"کتابی صورت میں مقالات کی یہ اشاعت اوّلین اشاعت ہی ہے، لیکن چونکہ پوسٹروں کی شکل میں مضامین کا زیادہ حصہ امسال مئی اور جون میں شائع ہو چکا ہے لہذا اس کو اشاعتِ دوم کہہ سکتے ہیں،

موجودہ جلد میں شیعہ نقطۂ نظر اور نفیٔ مذہب کے مسائل پر دو تازہ ضمیمے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں،

محولہ بالا اضافہ سے قطع نظر، اس اشاعت میں مطبوعہ مقالات کی ترتیب بحیثیت مجموعی وہی ہے جو پہلے تھی، اگرچہ قارئین بعض مقامات پر لفظی ترمیم اور چند صفحات پر جستہ جستہ "سطور پائیں" (foot notes) کی تضمین ملاحظہ فرمائینگے،

اگست سنہ ۱۹۳۳ء

ارضِ لُد (لُدھانہ)

ناشر

# خوفناک انقلابات

## "مردے از غیب" کا ظہور

## چند سالوں کے اندر دُنیا میں کیا کچھ ہونے والا ہے

حضرت امام مہدی کی آمد کے موضوع پر مبسوط مضامین

اور

## بصیرت افروز مقالات

آج جبکہ تمام دُنیا پر ایک ہمہ گیر اضطراب کے آثار مستولی ہیں، قنوط پذیر (pessimistic) افراد کو انسانیت کی نہضتِ جدید کا دل آویز خواب کمل طور پر دھندلا اور پریشان ہوتا نظر آرہا ہے، لیکن "لاتقنطو" پر اعتقاد رکھنے والے اصحاب اس بیچینی، بے امنی، اور آشفتگی میں قبل تعمیر کے اس "ہیولائی انتشار" کا مشاہدہ کر رہے ہیں جس کا التزام فطرت کا اٹل اقتضا ہے! ایک

طرف آثارِ تیرگی سے مطلع عالم تیرہ و تار ہو رہا ہے دوسری طرف اس مکدّر اور ظلمت پوش فضا کو چیرتی ہوئی یہ دلدوز آواز گونج رہی ہے :-

اَے سوار اشہب دوراں بیا!

مایوس انسانوں کے گروہ کو کیا خبر کہ ظلمتِ غبار کی یہ آندھی اپنے دامن میں کیا لئے ہوئے ہے ؎

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہی وہ وقت ہے جب اس محیر العقول "سوار" کو گوناگوں پیشگوئیوں کی روشنی میں زیر بحث لاکر جمہور کو حقایق سے آگاہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اعلان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام مہدی کے متعلق حسب ذیل ترتیب سے چار[1] پوسٹر یکے بعد دیگرے "شاطو" ویکفیلڈ گنج سے شائع کئے جائینگے :-

(۱) مختلف مذاہب اس فوق الانسان مطلق العنان کے بارے

---

[1] صفحہ ۸، ملاحظہ ہو۔

ہیں کیا کہتے ہیں، وغیرہ

(۲) امام کے ۔ وقتِ ظہور اور ۔ مقام ورود ۔۔۔۔۔۔۔

کا تعین

(۳) موصوف ظہور سے پیشتر دورانِ تشکیل میں (in the making)

کن خصوصیات اور اوصاف کے حامل ہونگے،

(۴) کیا عہد حاضرہ میں دُنیا کے کسی حصّہ میں کوئی ایسا نوجوان

موجود ہے جو معین کردہ شعائر و شمائل سے متّصف ہو، (ایک

معنی خیز اشارہ)

ایم حسن لطیفی مدیرِ "مطالعہ"

19 5/33

# انسانیت کی نشاۃِ ثانیہ

## فطرت کے قوانین ارتقار کا فطرتی اقتضار

السنۂ مروجہ میں سے ہر مخصوص زبان کے الفاظ کا مفہوم اس رفتارِ نسبت سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ جس تدریجی تناسب سے اس لسان کے حلقۂ ترویج کے ارکان و افراد کی اکثریت لفظی اصطلاحات میں اپنے عمل متوازی سے رُوحِ مفہوم پھونکتی ہے۔ مذہب چونکہ لائحہ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے لفظ مذہب کا مفہوم خاص طور پر مذکورہ بالا نظریہ کی زد میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نیاز فتحپوری ایسے مبصّرین جب اس قسم کے سوال کرتے ہیں:۔ "کیا دُنیا کو مذہب کی ضرورت ہے؟" تو در اصل ان کا مُدعا یہ ہوتا ہے:۔ کیا دُنیا کو اُن (سیاہ و سفید) اعمال سابقہ کے تکرار کی ضرورت ہے جو مذہب کے نام پر کئے گئے؟ سوال کی پہلی صورت سے قارئین کا

مغالطہ میں پڑجانا کچھ بعید نہیں لیکن دوسری صورت سے مطلب آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ رسالہ نگار میں مذکورہ بالا استفہامیہ عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا وہ مغالطہ انگیز ہے بلکہ میں تو اس مضمون کے ہر حصّے سے تقریبًا لفظ بہ لفظ متفق ہوں اور نیاز صاحب کا یہ تحریر کرنا "کوئی وجہ نہیں کہ انسانی تمدن تو قوانین ارتقار کے ماتحت ترقی کرے اور مذہب اپنے حال پر قایم رہے، کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان مذہب کے لئے پیدا نہیں ہوا بلکہ مذہب انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے ....... اس لئے اگر کوئی مذہب یہ دعوے کرے کہ اس کی اوّلین شریعت (؟) ہمیشہ یکساں طور پر ہر زمانہ و ملک کی موافقت کرسکتی ہے تو اس سے زیادہ جھوٹ ......" میری رائے میں قدامت پرستوں کی بصیرت پر ایک تازیانہ سے کم نہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں یوپی کی اس زہریلی آزادنگاری سے بیزاری کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں، جس کی دو اہم مثالیں سجاد علی انصاری مرحوم کا مضمون "حقیقت عریاں" اور سجاد ظہیر کی

رسوائے عالم کتاب "انگارے" ہیں'

میں تسلیم کرتا ہوں کہ دورِ حاضرہ دنیا کا بالکل نیا دور ہے اور تمام مہذب اور تعلیمیافتہ اصحاب اپنے مذہبی عقاید کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنے کے خوگر ہو رہے ہیں لیکن کرۂ ارض کے اس ذہنی انقلاب سے حقیقی صداقت کو گزند کا کیا خوف ؟ اگر اب "مذہب" کی جگہ "خدمت العباد" لیتی جاتی ہے تو کیا یہ خدمت بجائے خود ایک مذہب نہیں ؟ اگر اب دنیا عبادت سے متنفر ہوتی جاتی ہے تو کیا دنیا کا جھوٹی عبادت سے متنفر ہو جانا بجائے خود ایک عبادت نہیں ؟ اگر روس کے باشندوں نے مسیحیت کی دیرینہ ریاضت گاہوں کو مذہبی ریاکاریوں کی کمین گاہیں سمجھکر منہدم کر دیا اور اپنی قوم کو نئی زندگی بخشی تو کیا ان کا یہ فعل بجائے خود ایک جذبۂ مسیحائی کا نتیجہ نہیں ؟

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کا اعتبار مفہوم ہمیشہ ہمارے اپنے عمل سے متعین ہوتا ہے' اگر آج ہم دنیا کے طول و عرض میں اپنے حسنِ عمل کا مظاہرہ کریں تو یہی "مذہب" جس سے ہم آج بیزار نظر آتے ہیں ہمارے

محاسن کی آئینہ داری سے بیحد پسندیدہ ہو جائے،

آج جبکہ عدم انسانیت اور مادیت کے بے پناہ سیلاب نے قصرِ انسانیت کے در و دیوار کو بری طرح مخدوش کر رکھا ہے روحانیت کی نہضتِ جدید یا انسانیت کی نشاۃِ ثانیہ بے شمار حکماء اور اربابِ قلم کا موضوعِ فکر و نگارش بنی ہوئی ہے، یہ ایک عریاں حقیقت ہے کہ انسانوں (اگر انسان نما افراد کہا جائے تو بہتر ہوگا) کے دائرۂ حیات میں بے شمار گنجائشیں اور صورتِ حال کو بہتر بنانے کی بیحساب ضرورتیں محسوس کی جا رہی ہیں، ایشیا تو سراپا احتیاج ہے لیکن یورپ کچھ کم محتاج نہیں اگر اس بدیہی حقیقت سے کسی کو انکار ہے تو میں انگلستان کے دو ممتاز مبصرین کی آراء پیش کئے دیتا ہوں، ڈاکٹر نارووڈ فرماتے ہیں:-

"ہم بدصورت آرٹ، بدنما الوان اور ناہموار و غیر موزوں موسیقی کے دور سے گذر رہے ہیں، یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے جو بغاوتِ شباب تو دیکھ چکا ہے لیکن ہر وہ شے ہنوز تشنۂ ظہور ہے جو "حسن" اور "صداقت" کی ایک صائب تر تعبیر کی جانب رہنمائی کرے اور ان کے لئے عامیانہ معیارہائے رائج سے بلند تر معیار وضع کر سکے"

ایک اور نقاد ڈاکٹر النگٹن نے "تعلیم" اور "تشکیل ذوق" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے مروجہ بد ذوقی پر طنزیہ پیرائے میں یوں رائے زنی کی ہے کہ اگر کسی شخص کو تعلیم یافتہ بننا ہو تو ہمیں متوقع ہونا چاہئے کہ وہ شخص اپنی ساری زندگی میں شاد و خرم رہیگا، اور دوسروں کیلئے ایک مجسم کوفت ثابت نہیں ہوگا، ایک تعلیمیافتہ فرد ایسا شخص ہونا چاہیئے جس کے ساتھ کوئی انسان خوشگواری سے زندگی بسر کرسکے، اور ایک وسیع تر دائرہ عمل میں ایک ایسا شخص جس پر ایک شہری کی حیثیت سے ذاتی حصے کے مطابق کام انجام دینے کے سلسلے میں اعتماد کیا جاسکے، موصوف کے اس تبصرہ میں مغرب کے نقائص تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔

اگر مذکورہ بالا ڈاکٹروں کی آرا ابھی درخور قبول نہ ہوں تو اس دعوے کے ثبوت میں کہ مغرب اپنی ظاہری خوبصورتی اور خوشنمائی کے باوجود در اصل تاریخ کے ایک زشت و بدنما دور سے گذر رہا ہے اور اس کا جمالیاتی ذوق (جو قدیم یونانیوں کے نظریہ کے مطابق ذوق صداقت کا مظہر ہونا چاہیئے) معیار ہائے پست کی وجہ سے روبہ انحطاط ہے تو میں اپنے قارئین کو پروفیسر رچرڈز کی کتاب "تنقید ادبیات کے اصول"

کے اس باب کے مطالعہ کا مشورہ دونگا جس کی سرخی یہ ہے :—

"Art, Play and Civilization"

جس گنجائش اصلاح[1] یا خلائے ہدایت کی جانب سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے وہ کسی خاص ملک یا کسی خاص قوم تک محدود نہیں، بلکہ ہر براعظم اور تمام اقوام و ملل پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور جب تک عالمگیر پیمانے پر بہتری کی کوشش نہیں کی جائیگی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا یہاں قارئین میں سے کوئی ایک صاحب یہ استفسار کر سکتے ہیں کہ ایسی صورت میں آغاز اصلاح و ہدایت کسی جماعت کی طرف سے عمل میں آنا لازم ہے، یا کسی فرد کی جانب سے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اقدام ہدایت کسی جماعت ہی کی طرف سے ہو تو بھی کوئی نہ کوئی شخص اس ادارۂ تنظیم کا مرکز ہونا چاہئے ورنہ وہ جماعت ایک ایسے جسم کے

---

[1] "To day, more than ever befo[re] in our history, the aid of spiritual power is needed" —— Tagore

مترادف ہو گی جو "دماغ" سے محروم ہو! بالفاظ دیگر کوئی نہ کوئی
ایسی مرکزی حیثیت کا ضرور ہونا چاہیئے جس کی ذات اجرائے بصیرت
انشعاب ہدایت اور تبلیغ روشنی کے لئے سرچشمہ کا کام دے!
اس فرد کی شخصیت اس قدر رفیع ہو کہ وہ تنظیم انضباط کی تمام تحریکوں کا
محور تسلیم کیا جائے لیکن سب چیزوں سے پہلے اس کو ایک انسان ایک
سادہ انسان ہونا چاہئے۔ برادرم اختر شیرانی نے آج سے تین سال قبل
ذیل کی سطور لکھتے ہوئے غالباً کسی ایک بے زبان ہمجنسوں کی ترجمانی کی
تھی:۔ "مجھے ایسے انسان کی جستجو ہے، جس کا مذہب انسانیت ہو،
کیونکہ انسان کا سب سے پہلا مذہب، پیدایشی مذہب، فطری مذہب
انسانیت ہے، مجھے ایک ایسے انسان کی تلاش ہے جو موجودہ آدمی اور
قدیم پیغمبر کے مابین ایک بلند شخصیت رکھتا ہو اور جو زمین پر رہ کر
آسمان کے قریب کی فضاؤں میں پرواز کرتا ہو"! میرے خیال میں
ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کو انگریزی میں "اورے کل"
(Oracle) کہتے ہیں، اگر المانوی حکیم نیٹشے (Nietzsche)
کو چمن زار جرمنی کی بجائے ہندوستان کے "صحرا" میں سفر حیات

ی منزلیں طے کرنی پڑتیں تو وہ اپنی تلاش و کاوش کے اظہار کیلئے
غالباً اختر ہی کے (مذکورہ بالا) الفاظ مستعار لے لیتا ـــــ
ور Super - man (فوق الانسان) کا نظریہ
س طریقے سے پیش نہ کر سکتا جس طرح فی الواقع اس نے کیا، یہ
وق الانسان نیٹشے کا بالکل طبع زاد نتیجہ فکر نہیں تھا، جہانتک ادبیات
ا تعلق ہے کئی ایک ایسے پارہ ہائے ادب زیر قیاس لائے جا سکتے
یں جنہوں نے نیٹشے کو اس تصور کی تعمیر میں مدد دی ہوگی خصوصاً
زن (جو اپنے تئیں بجائے خود ایک "ہیرو" سمجھتا تھا) کی منظومات
س کی وہ نظم جو "Dear Becher!" سے شروع ہوتی
ہے، ایک فوق الانسانی پندار سے لبریز ہے، مثال کے طور پر یہ سطر
حظہ ہو :-

"I will not descend to
a world I despise!"

(میں دُنیا کی اس پست سطح تک نیچے نہیں اتروں گا جس کو میں حقارت
سے دیکھتا ہوں) نیٹشے نے اپنی "فوق الکتب" تصنیف

"Thus Spake Zarathustra"

اس ماحول میں مرتب کی جہاں اجتماعی تعلیم اور میکنیکل سائنس کی ہیبتناک ترقیات نے انفرادی عظمت کو کچلنے اور نادر استعداد اور غیر معمولی جوہر کی چنگاریوں کو بجھانے کی باہمی سازش کی ہوئی تھی۔ نیٹشے کے نزدیک انسانیت کی منزل مقصود "بہت سے" نہیں بلکہ "چند ایک" ——— بھیڑوں کا گلہ نہیں بلکہ مخصوص شایان زادے (گدڑیئے) ——— مختصر یہ کہ "عوام" نہیں بلکہ "فوق الانسان" ہے!

نیٹشے نے مسیحی فلسفۂ اخلاق کے دفتر کو تقویم پارینہ کہکر ٹھکرا دیا اور بعض ایسے اخلاقی نتائج مرتب کئے جو یقیناً قابل قدر ہیں لیکن چونکہ وہ خدا کا منکر تھا، اس لئے اس کا قلم جادۂ اعتدال پر نہ چل سکا اور اس سے ایسی لغزشیں ہوئیں جن سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبال کو پیام مشرق میں یہ کہنا پڑا ع قلب او مومن دماغش کافر است!

نیٹشے نے فوق الانسان کا جو خواب دیکھا تھا، اس کی کامیاب تعبیر جرمنی کی جانب سے اب تک جس صورت میں پیش ہو سکی وہ ہٹلر ہے، ہٹلر کی حرکتوں میں ویسی ہی بے محابا بے اعتدالی جھلک رہی ہے،

جیسی نیٹشے کی کتاب کے انداز تحریر میں، لیکن صحیح فوق الانسان کے معیار سے ہٹلر کو پرکھنے کی کوشش کی جائے تو وہ اس بلند فرد کا پاسنگ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ محض اختیار و قوت اور غرور و تکبر انسان کو فوق الانسان نہیں بنا سکتے، اگرچہ نیٹشے کے فوق الانسان کو اخلاقی حیثیت سے "نیک" ہونے کی ضرورت نہیں، مگر اخلاقی فرائض سے بے نیاز ہو کر انسان فوق الانسان تو درکنار معمولی انسان بھی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لحاظ سے نیٹشے کا فوق الانسان محض "فرعونوں کا فرعون" رہ جاتا ہے، اس "فرعون فراعنہ" کو کوئی بھی ایسا شخص جو کسی اخلاقی مذہب کا پیرو ہو (خصوصاً مسلمان) کبھی تسلیم نہیں کر سکتا، اور یوں بھی اسلامیوں کے ہاں رسول کریم کا جو درجہ ہے وہ ظاہر ہی ہے، حضورؐ کے بعد کوئی ذی ہوش مسلمان آپؐ کی بلند حیثیت سے متصادم ہونے کی جسارت نہیں کر سکتا یہاں نیٹشائی "فوق الانسان" کا معاملہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بہت پیچیدہ ہو جاتا ہے، لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر اقبال کا عقیدہ ہماری رہنمائی کے لئے کافی و وافی ہے۔ موصوف نے اپنی تصنیف

"اسرارِ خودی" میں جس نئے آدم کی تشکیل کا درس دیا وہ امکان عمل کا درست ترین اسلامی نمونہ ہے، اگر کوئی مسلمان رجوبہر حال رسول کریمؐ کے غلاموں کی حلقہ بگوشی کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھے گا) تلقین اقبالؔ کے مطابق اپنے حسن عمل کے استثنائی امتیاز سے ہمہ گیر نہضتِ انسانیت کا سبب بن جائے تو وہ بلا شائبہ اشتباہ "فوق الانسان" کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے، اسی کے اشتیاقِ انتظار کو ملّت بیضا کے سب سے بڑے سیاسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے:

"کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں"

24 5/33

نمرۂ تسلسل (۲)

# کیا مختلف مذاہب ایک مخصوص قائدِ اعظم کے منتظر ہیں؟

## مطلق العنان، قہرمان، فوق الانسان

## امام الزمان کا تصوّر

نظریہ "مہدی" کے نمرۂ اول میں نیٹشے کے "فوق الانسان" کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ورونوف (جو اعادہ شباب کے حیرت انگیز تجربوں کے سلسلے میں شہرت حاصل کر چکے ہیں) کا وہ تازہ نظریہ جس کا تعلق "برتر نسل" کی تخلیق سے ہے، عمداً نظر انداز کر دیا گیا تھا، وہ ایک علیحدہ علمیہ مبحث ہے، اور زیرِ تحریر مضمون میں فی الحال اس کے لئے گنجائش ممکن نہیں، مستقبل قریب کی جو قہرمان تاریخی شخصیت اس وقت

ہمارے زیربحث ہے "وہ شمپانزی" یا "اورنگ اوٹنگ" ایسے ترقی یافتہ بندروں کی گلٹیوں سے معرض وجود میں نہیں آسکتی، جب خاص قسم کے اجتماعی حالات و موثرات سے ایک نئی فضا طیار ہو جاتی ہے اور کوائف و مواقع الوالعزمی کی مساعدت کرتے ہیں تو نپولین اور لینن ایسے افراد خود بخود اُبھر آتے ہیں جس "فرد واحد" کے اُبھرنے کا ہمیں انتظار ہے اس کو فطرت کی جانب سے ایسا قلب سلیم اور دماغ صحیح ودیعت ہو چکا ہوگا کہ کسی غیر فطری عمل جراحی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ——!

اسلام، عیسائیت، ہندو دھرم اور دیگر مذاہب کی بعض مذہبی کتابوں میں ابھرنے والے "فرد" کے عقیدے کی نسبت ایک نہایت حیرت انگیز ہم آہنگی پائی جاتی ہے، قرآن واحادیث پر ایمان رکھنے والے "امام مہدی" کے منتظر ہیں، انجیل کو تنزیل ہدایت سمجھنے والے "آسمانی آتش یعنی امام آخرالزمان" (بہ حوالہ مکاشفات یوحنا) کے متوقع ہیں، مسیح موعود کے ذکر سے یہاں میں دانستہ قطع نظر کرتا ہوں انشاء العزیز ایک علیحدہ پوسٹر[1] میں اس موضوع پر روشنی ڈالونگا، ہندوستان کے

---

[1] مجھے افسوس ہے کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوسکا۔

عہدِ عتیق کی تہذیب کے علمبردار اس قائدِ اعظم کے لئے بیتاب ہیں جس کا تذکرہ "نہہ کلنک" (معصوم) کے نام سے کیا جاتا ہے، سکھ صاحبان "سوساکھی" (ایک سو کہانیوں کا مجموعہ) کے ایک بیان کردہ گرو کی راہ دیکھ رہے ہیں، علی ہٰذا القیاس بعض دیگر مذہب کے پیرو بھی کسی نہ کسی آخر الزمان تاریخی شخصیت کے امیدوار ہیں، اس قسم کے تمام عقائد کا خلاصہ یہ ہے:

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

اگر کوئی پوچھے کہ ان مختلف مذاہب کا مقصودِ انتظار ایک ہی شخص کیوں تسلیم کیا جائے تو فی الحال میرا جواب یہ ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں اس سلسلے میں جس شخص کا انتظار کیا جا رہا ہے اس کی چند خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کی "امامت" ہمہ گیر ہوگی، یعنی اس کی قیادت کے مقابلہ میں دنیا بھر سے کسی اور قائد کے ظہور کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہوگا، لہٰذا یا تو بقیہ مذاہب کے مذکورہ عقائد غلط ثابت ہوں گے یا آنے والا امام اپنی وسیع المشربی اور کشادہ دامنی سے تمام غیر مسلموں کے قلوب مسخر کرلیگا اور غالب کی یہ پیش گوئی پوری ہو جائیگی ؎

"ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں"

یعنی بیک وقت سب مسجدوں، مندروں، شوالوں، ہیکلوں، کنشتوں، گرجاؤں، گردواروں، گپھاؤں، خانقاہوں ـــــ مختصر یہ کہ خدا کی وسیع خدائی کی تمام عبادتگاہوں پر اس مقدس فوق الانسان حاکم کا پرچم لہرائیگا!

جس حد تک مسلمانوں کا تعلق ہے میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ہاں مذہبی لٹریچر سے کئی ایک ایسے مستند اور ناقابل تردید شواہد اقتباس کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے حضرت امام مہدی کے عقیدہ کی صداقت خود بخود ثابت ہوجاتی ہے، منکروں کی ضد اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج نہیں، وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ: "امام مہدیؑ ظاہر ہو چکے ہیں" سخت غلط فہمی کا شکار ہیں، اور ان بیچاروں کی حالت تو واقعی قابل رحم ہے جو "انتظار غیر مختتم" کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں ـــــ روزنامہ "انقلاب" (لاہور) نے ۴ مئی ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں "ایران کا مہدی آخرالزمان ـــــ سید غضنفر اور اس کے شعبدے" کے زیر عنوان روزنامہ "ہند جدید" کلکتہ سے ایک ایسا اقتباس شائع

کیا تھا جس سے جھوٹے "مہدی" کے علاوہ صحیح "مہدی" کے عقیدہ پر بھی تحریری حملہ مقصود تھا، نیچے کی سطور ملاحظہ فرمائیے :-

[illegible] مہدی کے عقیدے نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے ان میں قوم کے مستقبل سے بے فکری پیدا کردی ہے، جسے دیکھو یہی کہتا ہے کہ کوشش بے فائدہ ہے، قیامت قریب ہے، عنقریب مہدی آخری الزمان پیدا ہونگے اور مسلمان دُنیا بھر کے مالک بن جائینگے"

میں تسلیم کرتا ہوں کہ عہد عباسی سے آجتک متعدد مہدی ظاہر ہوچکے ہیں اور مسلمانوں کی باہمی خونریزی یا ان کی گمراہی کے سبب بھی بنے ہیں، لیکن یہ کیسا انصاف اور کہاں کی منطق ہے کہ اس فساد و ضلالت کی ذمہ داری آنے والے امام کے سر پر ڈالدی جائے ؟

اگر "ہند جدید" یا "انقلاب" کے بعض اخباری ایجنٹ ہندوستان کے مختلف شہروں میں جرائد مذکورہ کے نام پر بے تکلفانہ چند ایسی جدتوں کا مظاہرہ کریں جن کا نتیجہ رسوائی و بدنامی ہو تو کیا ان دو اخباروں کے فاضل مدیر اور ان کے فاضل احباب یہ الزام برداشت کرینگے کہ تمام حرکتوں کے ذمہ دار وہ خود تھے ؟ پھر کیا دو اپنی نا کردہ گناہی کے

باوجود محض ایک تجارتی تعلق کی پاداش میں اپنے آپ کو معرض تعزیر میں ڈال سکتے ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے، اسی طرح مہدیٔ منتظر کے نام پر بدکرداری کے ہنگامے برپا کرنے والوں پر غصہ اتارنے کے بجائے امام مہدی کے عقیدہ سے انتقام نہیں لیا جا سکتا، اگر مسلمانوں سے قوت عمل سلب ہوئی ہے تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، اگر ان میں گمراہوں اور دجّالوں کا ظہور آسان ہو گیا تو اس کے لئے بھی مسئولیت کا بار انہی کے کندھوں پر ہے،

"ہند جدید" کے جس اقتباس کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے، اس میں حضرت سید جمال الدین افغانی آنجہانی کی نسبت ایک حکایت بیان کی گئی ہے، اور مضمون نگار نے یہ قول سید صاحب کی جانب منسوب کیا ہے کہ "مہدی ہر وہ مسلمان ہے جو دین کی خدمت میں سر بکف نکلتا ہے .. .. .. .." اس بیان کے بعد مضمون میں "ربط و تسلسل" قائم رکھنے کی یوں کوشش کی گئی ہے:-

"سید صاحب کے کلام کا مطلب ظاہر ہے، ابن خلدون اور دوسرے محققین نے بھی مہدی کے عقیدہ کی تردید کی ہے ......"

میں حیران ہوں کہ فاضل مضمون نگار نے سید صاحب کے قول سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ وہ عقیدۂ "مہدی" کے منکر تھے؟ اور آخری فقرے میں "جو بھی" کا لفظ ہے وہ صرف و نحو کے کس قاعدہ کے مطابق معرض تحریر میں لایا گیا؟ یہ کہنا کہ ہر مجاہد مسلم مہدی ہے عقیدہ مہدی کا اثبات ہے یا انکار؟ میں تو سید صاحب کے قول میں یقینی اثبات پاتا ہوں اور ان کے بیان سے لفظ بہ لفظ متفق ہوں، نہ صرف یہ بلکہ میں دلائل سے ثابت کردونگا کہ خود "امام مہدی" کو بھی اپنے ظہور سے قبل یہ عقیدہ رکھنا لازم ہوگا کہ مہدی، ہر وہ مسلمان ہے جو اللہ کے رستے میں سر کٹانے کے لئے نکلتا ہے! باقی رہا ابن خلدون کا معاملہ سو اس وقت ان کا بیان میری میز پر نہیں، اگر فی الواقع وہ عقیدہ مہدی کے منکر تھے تو اس انکار سے کم از کم اتنا پتہ تو چلتا کہ علامہ موصوف نے اس عقیدہ کو از بس اہم سمجھا، ورنہ انھیں کیا پڑی تھی کہ وہ اپنے (صحیح یا غلط) استدلال کا زور ذرا سی بات پر صرف کرتے؟ مزید براں ابن خلدون لاکھ علامہ و فہامہ سہی لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سند اعتبار کے مقابلہ میں مقدم الذکر کے "سوفسطائی" دلائل و براہین کی حقیقت بھی

کیا ہے؟ مجدّد موصوف نے مقام سرہند سے ایک خط مرزا حسام الدین احمد کے نام ارقام فرمایا تھا (جو مکتوبات کے دفتر اول کے اردو ترجمے میں شامل ہے) اس کے دوران میں اُنھوں نے حضرت مہدی علیہ السلام کے عقیدہ کی نسبت نہ صرف اپنے اعتقاد پر روشنی ڈالی ہے' بلکہ امام موعود کی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے' اس مکتوب کا اقتباس انشاءاللہ العزیز عنقریب ہدیۂ قارئین کیا جائیگا' جریدہ "پرافٹک نیوز" Prophetic News (جس کا پہلا ایڈیشن بقول خواجہ حسن نظامی صاحب ۱۸۶۶ء میں چھپا تھا) میں حضرت دانیال کی وحی کے حوالے سے جہاں اور بہت سی پیشگوئیاں شائع ہوئی تھیں وہاں یہ پیش خبر بھی ہدیۂ قارئین کی گئی تھی کہ آنے والے امام کے ہاتھوں دُنیا کی دس بڑی سلطنتیں (جنمیں برطانیہ بھی شامل ہے) مغلوب و مفتوح ہو جائینگی اور ان مفتوحہ ملکوں کی رعایا اور حکمران بطیب خاطر امام موعود کو اپنا شہنشاہ تسلیم کرلیں گے، عقیدۂ مہدی (و مسیح) کے معتقدوں کے حلقہ ہائے مخصوص میں تو حضرت امام مہدی (اور حضرت مسیح موعود) کی آمد خصوصیت کے ساتھ اس سنہری دَور کے افتتاح سے

وابستہ متصور کی جاتی رہی ہے، جب مذہب فطرت (یعنی خالص اسلام) کے اساسی اصول و آئین دنیا میں غلبہ کے ساتھ رائج ہونگے اور ترقی یافتہ عیسائی اقوام و ممالک (اسلام کے خلاف شدید تعصب کے باوجود) صداقت اسلام کے قائل ہوجائینگے اور اسلامی اصولوں کو اختیار کرکے ایک نئے دور کا خیر مقدم کرینگے، اسلام کی عالمگیر پذیرائی کا حقیقت بنکر معرض وقوع میں آنا در اصل اس مقدس پیشگوئی کا صحیح ثابت ہونا ہے جو خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید کے دسویں (اور اٹھارویں) پارہ میں ذیل کے الفاظ میں کی: ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ○ اسی نے بھیجا اپنا رسول ہدایت لیکر اور دین سچا تا اس کو اوپر کرے ہر دین سے اور پڑے برا مانیں مشرک (ترجمہ از حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلویؒ)

مذکورہ بالا آیت کے صفحہ پر (نیز بقیہ صفحات پر) قرآن شریف میں حضرت امام مہدی کا کہیں واضح ذکر نہیں ـــــــ لیکن یہ واقع ہے کہ اس پیشگوئی کو ساڑھے تیرہ سو سال گذر چکے ہیں اور ہنوز

یہ تشنۂ ایفا ہے، اس سے قیاس غالب یہی ہو سکتا ہے کہ اس پیشگوئی
کی تکمیل کا زمانہ اور امام مہدی کے ظہور کا وقت ایک ہی ہنگام پر
باہم منطبق ہونگے ممکن ہے کہ بعض معترضین اس پر مصر ہوں کہ اگر
عقیدۂ مہدی صداقت پر مبنی تھا تو اس کا واضح ذکر قرآن مجید میں
کیوں نہیں کیا گیا، اس اعتراض کا معقول ترین جواب یہ ہے کہ قرآن
مقدس کی آیات میں خدا کا امام مہدی کے ذکر کو حذف کر دینا خود
امام موعود کے مفاد کے لئے بالخصوص اور عامۃ المسلمین کے
مفاد کے واسطے بالعموم ضروری تھا، ورنہ قوت عمل کے سلب ہونے
کے لئے موقع بہم پہنچانے کا وہی الزام (نعوذ باللہ من ذالک) خدا پر
نہایت بے تکلفی سے عاید ہو جاتا، رہا حدیثوں اور روایتوں کا مسئلہ
اُن میں مہدی موعود کا ذکر پایا جانا فطرت کے اقتضا ر کے عین
مطابق تھا، اگر کوئی دریافت کرے "کیوں" ؟ تو میں اپنے جواب
میں ایک مثال پیش کر کے مطلوبہ وجہ سے آگاہ کر دوں گا، فرض کیجیے
ایک آوارۂ غربت کو اندھیری رات میں ایک مہیب راستے کے
نشیب و فراز اور پیچ و خم طے کرتے ہوئے گذرنا ہے اور اس گذرنے

ہیں آپ اس کی قوت عمل کو آزمانا چاہتے ہیں تو بتلایئے آپ اس
ہیبت ناک تاریکی میں ایک جگنو سے لیکر ایک مستقل فوّارہ نور
یا searchlight تک جائز معاونت رہرو کے لئے
کس قدر روشنی تجویز فرمائیں گے؟ اگر آپ نے ایک مستقل اور یقینی
روشنی کا سامان بہم پہنچا دیا تو یہ سمجھئے کہ قوت عمل کا امتحان محض
ایک مذاق یا پردۂ فلم کا ایک سہل انگارانہ عسل بن کر رہ گیا' اور اگر آپ
روشنی کی ایک کرن بھی اس غریب کو دینا نہیں چاہتے تو وہ (خواہ اس
میں کتنی ہی اولوالعزمی کیوں نہو) تھکان سے چور ہوکر یا کسی سنگ راہ
سے ٹکرا کر گر پڑے گا اور آپ کا تجربہ ادھورا رہ جائیگا' نتیجہ خیزی کے
لئے نفسیاتی نقطۂ نظر سے ازبس ضروری ہے کہ وقتاً توقتاً اور گاہے
گاہے بادلوں سے بجلی چمکتی رہے' بجلی کے چمکنے کا وقت غیر متعین
اور مبہم ہوتا ہے اور اس کا ابہام تجربہ کی کامیابی کے لئے بے حد
مفید ہے' بالکل یہی حال اس ذہنی یا علمی روشنی کا ہے جو ایک
خاص امتحان عمل کے معرض ابتلا میں پڑنے والے کے لئے مہیّا
کی جائے' میرا خیال ہے قارئین میرا مطلب سمجھ گئے ہونگے'

دس بارہ روز ہوئے میں نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں ایک مبہم شخص رات کے وقت میرے درپئے آزار دکھلایا گیا تھا، چنانچہ فطرت کے اس انتباہ کے بعد تین چار راتوں کے دوران میں "شاطو" کے باغ میں ایک مشتبہ آدمی کے گذرنے کا شبہ ہوا، ۲۰ مئی کی رات کو اس نے دوبارہ حملہ کا اقدام کیا، لیکن ایک کتیا کے بروقت بھونکنے سے اُس کو اُلٹے پاؤں بھاگنا پڑا، اس سلسلے میں مجھے جس "جماعت" پر شُبہ ہے فی الحال میں اس کے ذکر سے احتراز کرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہونگا کہ اگر خدا مجھ سے کوئی خاص خدمت لینا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے عزم سے نہیں روک سکتی،

$28 \frac{5}{33}$

---

نمبر ۲ تسلسل (۳)

# فردائے ظہور کی ہیئت مستور

## کیا آئندہ پندرہ سالوں کے دوران میں دُنیا تہہ و بالا ہو جائیگی؟

مشرق و مغرب میں جس سے انقلاب آنے کو ہے
وہ نقیب امروز و فردا بے نقاب آنے کو ہے

شہریار موعود کے مژدۂ شہود سے پیشتر زمانِ ظہور کی تخصیص و تعیین ازبس توجہ طلب ہے، بعض قارئین اس سلسلے میں خاکسار سے ویسی ہی پیشگوئی کے متوقع ہونگے جیسی آنے والے واقعات کی نسبت کسی نجومی کی کوئی حیرت انگیز افواہ ـــــ لیکن نہ میں جوتشی ہوں نہ مجھے رمل جفر وغیرہ کے ماہر ہونے کا دعوٰے ہے، میں تو اس مسئلہ کو اسی طرح سلجھانا چاہتا ہوں جس طریقے سے میں مڈل کی جماعتوں میں "جبر و مقابلہ"

کے اس قسم کے سوالات حل کیا کرتا تھا:۔

(۱) ”ایک عدد میں دو ہندسے ہیں، اکائی کا ہندسہ دہائی کے ہندسہ سے دوچند ہے، اگر ہندسے پلٹ دیئے جائیں تو نیا عدد اصلی عدد سے بقدر ۱۸ کے زیادہ ہوتا ہے۔ عدد معلوم کرو؟“

(۲) بتاؤ ۴ اور ۵ بجے کے درمیان کس وقت گھڑی کی سوئیاں منطبق ہوتی ہیں؟“

عام طور پر چھٹی اور ساتویں جماعتوں کے طلبا رجن قواعد سے ہندسوں اور گھڑیوں کے مذکورہ بالا سوالات سامنے رکھکر تجسّسِ جواب میں کوشاں ہوتے ہیں، تقریباً وہی بنیادی اصول سیاسی ہندسوں اور سیاسی گھڑیوں کے مخصوص سوال کو حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں، اور مطلوبہ ہنگام و ایام کا تعیّن بہ آسانی کیا جا سکتا ہے،

امام مہدی کی حیثیت یہاں ایک ”مظروف“ کی سی ہے، اور اس نسبت سے اُن کا زمانۂ ظہور ایک ”ظرف“ کے مترادف ہے، اس ”ظرف“ کی ایک مخصوص ”زد“ (range) ہے اور اس مخصوص زد کی پہنائی دو ہیئتیں رکھتی ہے، ایک ہیئتِ متعارفہ،

دوسری ہیئت غیر متعارفہ، مقدم الذکر ہیئت کے نمایاں عناصر (یعنی دجّال کے چنگل سے غلام اقوام و ممالک کا استخلاص، قوّتِ دجل کا کُلّی استیصال، اور یاجوج و ماجوج کا خروج بے محابا) امام موعود کے ہنگام نمونہ کا ایک ایسا پس منظر (بیک گراؤنڈ) مرتّب کرتے ہیں کہ ہمیں ہیئت غیر متعارفہ کے تعارف و دریافت کے لئے قیمتی جزئیات مُسلّمہ (data) کی مزید ضرورت نہیں رہتی،

زمانۂ ظہور کے سوال کو حل کرنے کی کوشش سے پیشتر ہمیں ذیل کی بدیہی حقیقتوں (Axioms) کو بنیاد و اساس کے طور پر ملحوظ رکھنا پڑے گا:-

(۱) چودھویں صدی ہجری (تقریباً ۱۸۸۲ء سے ۱۹۸۲ء) تک کا عالم ہوگا،

(۲) "ویقترح البریّۃ بالدلال" (بہ حوالہ اتالیق یحیٰ بن عقب) کے مطابق امام مہدی غلام جمہور کو آزاد کرائیں گے،

(۳) دجل (Fraud) کی قوت توڑ دی جائیگی یعنی دجّال (جس سے مراد برطانیہ ہے) کو فیصلہ کُن شکست ملیگی،

(۴) یاجوج و ماجوج (جس سے حضرت یافث بن نوح علیہ السلام کی وہ دیوہیکل اولاد مراد ہے۔ جس کے اخلاف روس اور چین کے شمالی کوہستانوں میں سکونت پذیر ہوئے اور قرب وجوار میں پھیل گئے) اپنی حدود (خواہ وہ پگھلے ہوئے سیسہ کو جما کر بنائی گئی ہوں) کو توڑ کر نکل آئیں گے،

اوّل "ایگزیم" سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وقت کے لحاظ سے آخری حد ۱۹۸۲ء ہے، چونکہ مہدی کے ہمعصر انقلابات ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوئے اور سال رواں ۱۹۳۳ء ہے، لہٰذا وسیع ترین زمانی رنج (range) ۱۹۳۳ء سے ۱۹۸۲ء تک قرار دی جاسکتی ہے، اب جس قدر ہم ۴۸ سالوں کے اس طویل "اثنا" کو استدلال سے ظہور کے لئے محدود کر دیں گے اسی قدر اپنے سوال کے حل کرنے میں زیادہ کامیاب سمجھے جائینگے،

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ جس وقت میں نے "حضرت امام مہدی کی آمد" کے عنوان پر قلم اٹھانے کا اعلان کیا تھا تو اس امر کی تخصیص کی تھی کہ یہی وہ زمانہ ہے جب آمد مہدی کے موضوع پر آمادہ تحریر

ہونا چاہیئے، یہ تخصیص زمانہ کی اس سیاسی رفتار پر مبنی ہے جو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ایک عظیم الشان پیمانہ پر انتشار و تصادم کے ایک خاص موقع کو روز بروز قریب تر لا رہی ہے، جن چار بدیہی حقیقتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کی باہمی ہم آہنگی کا اقتضاء یہ ہے کہ "خروج" و "معرکہ آرائی" اور "استیصال" و "استخلاص" کے واقعات کا مرکزی منظر براعظم ایشیا کے وسطی حصہ کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتا، کیونکہ سیاسی بصیرت رکھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ اگر چین، روس اور برطانیہ کی باہمی نبرد آزمائی ہو سکتی ہے تو مشرق وسطیٰ کے اس علاقے (spot) میں جو سمرقند، ترکستان، شمالی کشمیر، شمالی چترال، شمال مشرقی افغانستان پر مشتمل ہے، موجودہ سیاسی صورت حالات (sitaation) جن غالب امکانات کی حامل ہے ان کا میلان اسی "مکانی دائرے" کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اشتراکیت اور سرمایہ داری کی فیصلہ کن جنگ بالآخر ایشیا کے اسی علاقے میں شروع ہو کر اختتام تک پہنچیگی، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مرکز ایشیا کے سب سے بڑے تاریخی واقعہ کے متعلق مذہبی اور غیر مذہبی، سیاسی اور علمی، فضائی

؎ "از خاک سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوب ہلاکوے ہنگامہ چنگیزے" اقبال

اور ماحولِ عتیق اور جدید بیانات کس حد تک معتبر ہیں نیز چیدہ
چیدہ مستند نتائج و آراء آپس میں ہم آہنگی کی کتنی صلاحیت رکھتے
ہیں، جس قدر زیادہ سے زیادہ اسناد باہمی موافقت کی حامل میسر
آئینگی اسی لحاظ سے ہمیں زمانی زد کے محدود تر تعین میں سہولت ہوگی،
ذیل میں مختلف ملکوں، مختلف زمانوں، مختلف کتابوں، مختلف
لتیوں اور مختلف انسانوں کی متعلقہ اطلاعات و اشارات کا بہترین
خلاصہ پیش کیا جاتا ہے :-
(۱) "اہرام مصری کے مخروط میناروں میں سے مہیب مینارِ اعظم
(جس کے متعلق روائت ہے کہ شاہ Cheops نے ۳۲۷۳ سال
قبل مسیح تعمیر کرایا تھا) اپنے دامن میں ایک ایسی امانت لئے ہوئے
ہے جو علم ریاضی کی سی صحت کے ساتھ تاریخ انسان کے اہم اوراق
کی ایک صحیح پیشگوئی کی حامل چیستان ہے، ہندسوں کی سائنس کی مدد
سے پُر اسرار" علامیّت" (symbolism) کو صورتِ مجہول سے
صورتِ معروف میں تبدیل کرنے کے بعد اس کی عبارت علم ہیئت
کے ماہِ نو رجب کے طلوع سے غالباً اسلام کی نشاۃِ ثانیہ مراد ہے

کیونکہ خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا“) کی قریب تر پہنچتی ہوئی تقریب کا پتہ دیتی ہے، نئے چاند کی نمود ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء کے روز قرنا ہائے مہیب آہنگ ــــــــ کی قدیم عبرانی صلائے جشن سے تعبیر کی جاتی ہے، نیز یہ باور کیا جاتا ہے کہ مادّی دنیا کا راز سربستہ تمام تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اس دن کھلیگا“

ــــــ بہ حوالہ ”سیاحت قاہرہ“ (لطیفیہ لیفلٹ نمبر ۹)

(۲) امریکہ کی مشہور روحانی معمولہ اولین وہائٹ نے چند پیشینگوئیاں کی ہیں، موصوفہ کہتی ہیں کہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک مشرق میں جنگ ہوگی .. .. .. .. .. .. .. ہندوستان آزاد ہوکر ایک زبردست سلطنت بن جائیگا، لیکن اپنے موجودہ لیڈر (مہاتما گاندھی) کے زمانہ قیادت میں نہیں .. .. .. .. .. .. بیس سال کے دوران میں بادشاہوں اور شاہزادیوں کا وجود باقی نہ رہیگا .. .. .. .. وغیرہ وغیرہ

(۳) ”مغربی استعمار کے پنجے سے ایشیا کے آزاد ہونے میں زیادہ سے زیادہ پچیس ۲۵ سال صرف ہونگے“

ــــــ ڈاکٹر اقبال (بہ حوالہ مکالمہ تیار یخے، اکتوبر ۱۹۳۶ء [illegible])

۵۔ بہت بڑی بڑی تبدیلیاں

(۴) لنڈن" انگلشمین" کا لنڈنی نامہ نگار رقمطراز ہے کہ لنڈن یونیورسٹی کے پروفیسر لاسکی Laski (جو سیاسی بصیرت کے لحاظ سے ایک بہت ہی بلند پایہ رکھتے ہیں) نے آکسفورڈ سپیچ کلب میں تقریر کرتے ہوئے مستقبل کے متعلق حالات حاضرہ کے ماتحت پیشینگوئی کی کہ "۱۹۳۵ء میں مزدور پارٹی کو کامیابی نصیب ہوگی اس کے بعد پونڈ کی قیمت گھٹ جائیگی، منچوریا میں روس اور جاپان کے درمیان ہولناک جنگ ہوگی، ہر ہٹلر معاہدہ "ورسائی" کی مذمت کریگا، اور پولش علاقہ پر قبضہ کرنا چاہیگا، فرانس اعلان جنگ کریگا، اطالیہ جرمنوں کی حمایت کریگا، امریکہ غیر جانبدار رہیگا، ونسٹن چرچل برطانیہ کا ڈکٹیٹر بن جائیگا، یہ سب واقعات دس سال کے اندر اندر رونما ہونگے"

(۵) "لوسین کانفرنس (جون ۱۹۳۲ء) کے افتتاحی خطبہ میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اس بلائے مبرم کے وزن و اہمیت پر زور دیتے ہوئے جو ہر قوم میں بیم و ہراس پیدا کرتی ہوئی قریب تر ہوتی جا رہی ہے، فرمایا:-

" سیاسیات عالم کے اس نازک دور میں فرانس، اطالیہ، جرمنی، امریکہ، برطانیہ، سب یکساں ہیں، اس دُنیائے بے ثبات سے زیادہ بے حقیقت اور مختصر چیز کوئی نہیں . . . . . . . . اس نظام سے جو زیر پا پامال ہو کر چُور چُور ہو رہا ہے۔ شاید ہی کوئی شے فروتر ہو"

(۶) حکومت برطانیہ کو انتباہ ——— "تم ہندوستان میں کوہ آتش فشاں کی چوٹی پر کھڑے ہو اور اس لئے تمہارے سامنے ایک ایسا مسئلہ درپیش ہے جس کے خیال سے ہی ڈر لگتا ہے"

——— سر تیج بہادر سپرو

(بہ حوالہ اخبار "ہندو" مدراس مئی ۱۹۳۳ء)

(۷) موسولینی (اطالیہ کا ڈکٹیٹر جو بحرۂ روم کو رومۃ الکبریٰ کے وارثوں کا ایک "تالاب" سمجھتا ہے اور رومن امپائر کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھ رہا ہے) نے ایک خاص موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے ذیل کے آتشین الفاظ کہے تھے :-

"۱۹۳۵ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان ایک ایسا سخت دشوار

وقت آئیگا، جب اطالیہ اپنے چھنے ہوئے حقوق (جن سے ایکطرف Fiume اور Dalmatia کا علاقہ اور دوسری طرف جنوب مشرقی فرانس یعنی "ریویرا" کا وہ حصہ مراد ہے جو کسی زمانہ میں اطالیہ کا جزو تھا) واپس لینے پر غیر معمولی طریقے سے اصرار کریگا "

(۸) روس کی سویٹ حکومت نے سرمایہ دار سلطنتوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کی تیاری کے لئے اکتوبر ۲۸ء سے ایک بہت عظیم الشان پیمانہ پر پانچ سالہ دستور تدبیر (Five Year Plan) کے مطابق سرگرمیٔ عمل کا آغاز کر رکھا ہے، اب تک وہاں سے جو معتبر اطلاعات موصول ہوئی ہیں وہ اس امر کی مظہر ہیں کہ صنعت وحرفت (Industry) کی بوقلموں جدتیں اور کل سازی (Engineering) کی اژدہا نما شکلیں اس انتہا تک پہنچی ہوئی ہیں۔ کہ ان کی تصاویر دیکھنے والوں کو یہ گمان گذرتا ہے گویا وہ انسانوں کی ساختہ کلیں نہیں بلکہ انھیں جنوں اور دیووں نے مشقت سے بنایا ہے، سویٹ کی یہ اسکیم اس سال

کتوبر کے مہینے تکمیل تک پہنچیگی،،

مذکورہ بالا بیانات پر ایک ہی نظر غائر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے
ان میں مشترک زمانہ (جو اکثریت انطباق کے احاطہ میں آتا ہے)
موجودہ وقت سے لیکر سنہ ۱۹۴۸ء تک ہے، یعنی اگر زمانی زد کا طول
درہ سال ٹھہرایا جائے تو آنے والے واقعات کیلئے گنجائش
ت نہ کافی سے زیادہ ہوگی اور نہ غیر کافی، اس نتیجہ کے بعد ہم یقین
و قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مقسوم بخاری کی ذیل کی
رواشت زیادہ قرین تسلیم ہے :- "چودھویں صدی کے دوسرے
ث میں (تقریباً ۱۹۱۵ء سے سنہ ۱۹۴۸ء تک) حضرت امام مہدی کا
ر ہوگا، ان کے ظہور سے عیسائیوں کی وہ حکومت جو سب سے
دہ مسلمانوں پر حاکم ہوگی اسلام اختیار کریگی،،

6 6/33

# ارضِ لُد کہاں ہے؟

## جغرافیائی اٹلس میں وادئ ستلج کی نزاکتِ محل

نظر حیراں تھی :- کیسے پوچھیگی اس شبستاں سے
ندا آئی :- شمالی ہند کے چاکِ گریباں سے

ہنگام ظہور کی تحقیق کے بعد اب مقام ظہور کی تدقیق کا مرحلہ پیش نظر ہے، دریافت طلب جگہ کا کھوج لگانا ایسا ہی ہے جیسے کسی پیچیدہ معمّہ کو حل کرنا، گذشتہ چیستان کے سلجھاؤ سے قارئین ضرور متاثر ہونگے، حالانکہ اس کے جزئیات مسلّمہ data میری ہوش اور توجہ سے بہت پیشتر دنیا میں موجود تھے لیکن راقم الحروف کے سوا کسی نے ایسے واضح استدلال سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش

نہیں کی، جب طبیعت میں ذوقِ تحریک، نظر میں نورِ بصیرت، جسم میں روحِ عمل، دماغ "ادب خوردۂ عشق نوستی" دل پرورش دادۂ جبرِ ئیلے" ہو تو انسان مشکل سے مشکل پہیلیاں چٹکی بجاتے بوجھ سکتا ہے، اور اس کے دیدۂ بینا پر بے شمار مبہم اور مستور نکات اسی طرح منکشف ہو جاتے ہیں جس طرح بعض کیمیائی مرکبات کی روشنائی سے میشے پر ثبت شدہ مدھم اور دھندلے حروف قربِ تابدان کی حرارت سے نمودار ہو کر بالکل روشن ہیئت اختیار کر لیتے ہیں۔ آجکل متفرق جرائد میں مختلف نوعیتوں کے متعلق معمے شائع ہوتے ہیں، انگریزی اخبارات کا رجحان چلیپا، شبد گورکھ دھندوں کی جانب ہے، تعلیم یافتہ طبقہ کے بعض افراد طلائی یا نقرئی "انعام" کے لئے ان گتھیوں کے سلجھانے میں وقت صرف کرتے ہیں، بعض محض "مشق" کے طور پر، بعض "دفع الوقتی" کی غرض سے اور بعض تفریحاً، ان کی ساری کوششیں ایسے معموں پر صرف ہوتی ہیں جو اپنے جوابات کے لحاظ سے کچھ ایسی دور رس اہمیت نہیں رکھتے، صحافتِ حاضرہ نے جمہور کے ذوق کو اسطرح ڈھال دیا ہے کہ وہ کھوکھلی اور بے حقیقت چیزوں کے زیادہ

دلدادہ ہو گئے ہیں، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ بھی اسی فیشن کی رَو میں بہتے ہوئے نظر آتے ہیں، اگر آج انھیں ایک ایسے دفینے کی چیستان حل کرنے کیلئے موقع دیا جائے جو الماس، یاقوت، زمرد، پکھراج، نیلم وغیرہ کی گرانمایہ امانت سے مشابہ ہو تو ان میں سے بہت سے امریکن افسانہ نگار ایڈگر ایلن پو کی تصنیف "سنہری گھونگا" (مترجمہ مولانا ظفر علی خاں صاحب) کے روایتی سُراغ رساں لیگرنڈ کی طرح آدھی آدھی رات تک اُلٹی سیدھی لکیریں کھینچا کریں اور دن بھر دفینے کے گرد و نواح کے علاقہ کی خاک چھانتے پھریں —— لیکن اپنی خفتہ نصیبی کے باعث آجتک مسلمانوں نے کبھی اس گنجِ شائگان کی چیستان پر نظرِ غائر نہیں ڈالی جو ساری دُنیا کو تمام ماسوا سرمایۂ سیم و زر اور متاعِ جواہرات سے بے نیاز کر دیگا —— !

امام موعود کی ظہور گاہ کا سراغ ایک لحاظ سے تقریباً اتنا ہی پیچیدہ ہے جس قدر "سنہری گھونگا" کے جزیرے میں بحری قزاق کپتان کِڈ کی مدفون دولت کے موقعہ مخصوص کا تعیّن، کِڈ کی چیستان سے ہندسوں کے ابجدی قائمقام معلوم کرنے کے بعد ایسی عبارت مستنبط ہوتی ہے:-

"شیطان کی نشست، بشپ کا ہوٹل، ایک اچھا سا گلاس.....
..... اکتالیس درجے اور تیرہ دقیقے .. .. .. بجانب شمال
مشرق اور شمال .. .. .. .. مشرقی طرف والی ساتویں شاخ کا بڑا گدا
.. .. .. .. کھوپری کی بائیں آنکھ سے گولی چلاؤ.........
شہد کی مکھی کی اڑان کا خط درخت سے چل کر گولی میں سے ہوتا ہوا پچاس
فٹ پرلی طرف ——"

دریافت طلب ظہور گاہ کی نسبت اسلامی ذخیرہ کتب میں جتنے
بیانات درج ہیں ان میں سے بیشتر تحریروں میں "باب لُد" یا "ارض لُد"
کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ "ارض لُد" کا اطلاق کس سرزمین پر ہوتا ہے؟
اس سلسلے میں بہت سے گمراہ لوگوں نے ولایت کے Ludgate
اور لفظ "لُد" سے شروع ہونے والے دیگر اسمائے مقامات پر
نہایت مضحکہ انگیز طریقے سے اس کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے کسی
مقام پر نظر انتخاب ڈالنے سے پیشتر ہمیں کئی ایک متعلقہ باتوں پر غور
کرنا لازم ہے، سب سے پہلے ہمیں "ارض لُد" کے مفہوم کی طرف
توجہ مبذول کرنی چاہیئے، "لُد" عربی زبان میں ایک لفظ ہے جو خود

ں کا مفرد "الد" ہے۔ الد کے معنے بڑے لمراہ اور بڑے
نے والے کے ہیں، اب "ارض لُد" کا مطلب بالکل واضح
رزمین گُم کردگان راہ" یہ تو ہوئی ظہور گاہ، اب ظاہر ہونے
نب کے مفہوم پر غور کیجئے، "مہدی" کے لفظ سے فوراً
کا لفظ ذہن میں آتا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ "مہدی" اور
دو نسبتی اصطلاحیں (relative terms) ہیں،
کے مفہوم کے بعد ہمیں ایک ایسی سرزمین کی جستجو درپیش ہے
بل چار شرائط پوری کر سکے :-
کا سر لفظ لفظی طور پر "لُد" ہو
دی حیثیت سے "ارض لُد" کا مفہوم ٹپکے
صر واقعات کے منظر سے نسبتی فاصلے کے تناسب کو ملحوظ
تے ہوئے موقعہ میں "بے تُکاپن" نہ پایا جائے،
ذکورہ بالا تین امور کے علاوہ تاریخی، سیاسی اور نوع کی اہمیت
لی نزاکت محل اور موزونیت کی مزید شہادت بہم پہنچائے
ر شرطوں کی روشنی میں کسی شہر کو معرض بحث میں لانے سے

پیشتر اگر ملک کا تعین ہو جائے تو مقام مطلوبہ کا انتخاب بیحد سہل ہو جائیگا، گذشتہ پوسٹر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ امام موعود غلام جمہور کو آزاد کرائیں گے، اس وقت دُنیا بھر کے تمام ممالک میں سے جس مُلک میں سب سے زیادہ غلام موجود ہیں وہ ہندوستان ہے، اور ایشیا کے دیگر علاقے جو مغربی استعمار کے زیر تسلط ہیں زیادہ تر اسی تیرہ بخت مُلک کی وجہ سے غلامی میں گرفتار ہیں، لہذا جہانتک استخلاص کا تعلق ہے امام مہدی پر سب سے زیادہ حق ہندوستان کا ہوگا، سیاسیات ہند کی حالت کچھ ایسی پیچیدہ ہے کہ کوئی شخص حدودِ ہند سے باہر رہ کر اس کا صحیح تجزیہ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس مُلک کو آزاد کرائے! ہندوستان کو آزاد کرانے والا لامحالہ ہندوستانی ہونا چاہیئے بالفاظ دیگر حضرت امام مہدی کا وطن ہندوستان کے سوا اور کوئی دیار نہیں ہوسکتا، گذشتہ ورق تسلسل میں مہدی کے ہمعصر واقعات کے پس منظر (بیک گراؤنڈ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے براعظم ایشیا کے وسطی حصے کا ذکر کیا گیا تھا، ہندوستان کا جو حصہ مرکز ایشیا کے زیادہ قریب ہے وہ شمال مغربی سرحدی صوبہ، پنجاب اور کشمیر پر مشتمل ہے، مشرق

وسطیٰ کے انقلابات پر اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا "ہیرو"
شمالی ہند کے اسی حصہ سے وطنی تعلق رکھتے' اب ہمیں اسی حصّے کے
حدود میں مطلوبہ شہر تلاش کرنا چاہئے'

راقم الحروف کی تلاش کا ماحصل "لُدّہانہ" ہے قارئین میں سے
جو اصحاب لُدّہانہ کو ارضِ لُد سمجھنے کی وجہ کا بالتفصیل مطالعہ کرنا چاہتے
ہیں میں انھیں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ میرے اسبوعی جریدہ "مطالعہ" کا
بائیسواں نمبر (مطبوعہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء) ملاحظہ فرمائیں)

ذیل میں مندرجہ فوق چار شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بیان کے جوا
میں علیحدہ علیحدہ چار ثبوت پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) "لُدّہانہ" کے نام کا سرلفظ لفظی طور پر "لُد" ہے' ویسے بھی اگر ہم
"لدّہانہ" کا تجزیہ کریں' تو "لُد دہانہ" بنتا ہے جو ایک ترکیب قلب ہے
اس کو اضافت کے ساتھ اگر اصلی صورت میں مضاف اور مضاف الیہ بنا کر
لایا جائے تو "دہانہ لُد" بن جائیگا' لفظ "دہانہ" دہن سے نکلا ہے'
"دہن" اور "باب" میں مفہوم کا جس قدر اشتراک ہے وہ محتاج بیان
نہیں'

(۲) شہر لدھانہ کی معنوی حیثیت سے ارض لد کا پورا مفہوم مترشح ہے، چنانچہ "مطالعہ" کے پرچہ میں میں نے لکھا تھا کہ میرا تلخ تجربہ یہی ہے کہ میں نے اہل لدھانہ سے زیادہ گمراہ اور خواہ مخواہ جھگڑا پیدا کرنے والے لوگ کہیں نہیں پائے، اگرچہ میں نے سینکڑوں شہر دیکھے ہیں اور ہزاروں آدمیوں سے ملاقات کی ہے مگر جتنے غدار، حاسد، تنگ نظر، حوصلہ شکن، ریاکار، راہزن، مفسدہ پرداز اس شہر میں دکھائی دیئے اتنے تمام شہروں کے بڑے لوگ ملا کر بھی میں نہیں دیکھ سکتا، علاوہ ازیں جس شہر میں دن دہاڑے ریوالوروں سے قتل کے واقعات ہوتے ہوں، بدکردار اور بد اطوار لفنگے سے راہگذر اکا دکا معصوم لڑکیوں کی آبروریزی کرتے ہوں، ہونہار محبان وطن کے خون بہانے کا اقدام کیا جاتا ہو، توجہ دلانے کے باوجود پولیس ٹس سے مس نہ ہوتی ہو، وغیرہ وغیرہ، میں پوچھتا ہوں کہ اس شہر کی سرزمین کو "ارض لد" کیوں قرار نہ دیا جائے؟ ان سطور سے قطع نظر امت مرزائیہ کے بانی مبانی ایسے الد الخصام دشمن اسلام، بدخواہ انام اعزا نے اسی شہر کو پہلے پہل اپنے فتنوں کی آماجگاہ بنایا، آپ خود ہی

انصاف سے بتلائیں کہ جس شہر میں سرچشمۂ گمراہی، منبع تباہی مرزا غلام احمد کا اولین دارالبیعت موجود ہو معنوی حیثیت سے اس شہر کی سرزمین ارضِ لُد ہے یا نہیں؟ فطرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مسیحِ دجال "لُدّ" کو "باب لُد" کہتے ہوئے اس امر سے قطعی بے خبر تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر اپنے دعوئ ضلالت و غوایت سے مفہوم ارضِ لُد کو معرض وجود میں لا رہا ہے ـــــــ!

(۳) ظہور مہدی کے ہمعصر واقعات کا پس منظر (بیک گراؤنڈ) گذشتہ پوسٹر میں متعین کیا جا چکا ہے، اس پس منظر کے قرب کے لحاظ سے اگر حضرت امام مہدی کی ظہورگاہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے کسی مقام (مثلاً پشاور) پر فرض کر لی جائے تو مقام مفروضہ محاذ جنگ سے اس قدر قریب ہو گا کہ وہ آتشیں گولوں اور مسموم گیسوں کی بے پناہ زد سے محفوظ نہیں رہ سکیگا، مرکزی منظر واقعات کے انضباطِ سانحات کیلئے از بس ضروری ہے کہ ظہورگاہ محاذ جنگ سے ایک مناسب فاصلہ پر ہٹ کر خطِ قاعدہ (base - line) پر قرار دی جائے اب اگر پنجاب کا کوئی اور شہر (مثلاً لاہور) منتخب کیا جائے تو بقیہ

شرائط پوری نہیں ہوتیں، اور لنڈی کوتل بہ لحاظ ازروئے محل وقوع پشاور کے زاویہ نظر سے یقیناً ایک خطِ قاعدہ پر واقع ہے، (مثال کے طور پر قسطنطنیہ اور انگورہ کے باہمی فاصلہ پر نظر ڈالئے، جن ایام میں جرنیل ملنے (General Milne) نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر رکھا تھا مارشل لا کے احکام صادر کر دیئے تھے اور قوم پرست رہنماؤں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی؛ کمال پاشا اور ان کے شرکائے کار آبنائے باسفورس اور بحر مارمورا کے غیر محفوظ ماحول کو چھوڑ کر ایک مخصوص فاصلے تک پیچھے ہٹ آئے تھے اور انھوں نے انگورہ کو اپنا مستقر بنالیا تھا، اس بر محل تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کوئی اسکیم بھی غیر ملکی جاسوسوں کو معلوم نہ ہو سکی؛ اور ترکی رہنما محاذ جنگ کے واقعات کو بہ آسانی وہاں سے منضبط کرتے رہے)

(۴) محولہ بالا دلائل کے علاوہ اب ذرا لنڈی کوتل کی تاریخی اہمیت پر غور کیجئے، جس وقت یہ علاقہ سکھوں سے انگریزوں کے قبضہ میں آیا تو اسے "پنجاب کی کنجی" کہا گیا، اس کے علاوہ جغرافیائی اٹلس میں اس کا جو ماحول ہے وہ وادئی ستلج کو گھیرے ہوئے ہے، وادئی ستلج کی

اہمیت اس تاریخی واقعہ سے ظاہر ہے کہ اسکندر اعظم ہندوستان میں قدم رکھنے اور راجہ پورس کو شکست دینے کے بعد بڑھتے بڑھتے بیاس تک تو آیا مگر فطرت کو وادیٔ ستلج کا احترام کچھ اس طرح ملحوظ تھا کہ اس یونانی فاتح نے سامنے کے میدانوں پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور وہ مزید تسخیر کا ارمان دل ہی میں لئے واپس لوٹنے پر مجبور ہو گیا، اس پر طرّہ یہ کہ ستلج کا لفظ ہی بجائے خود "ہفت لجہ" (سات دریاؤں کے گہرے پانی) کے مفہوم کا حامل ہے، کیا اس کی تاویل یہ نہیں ہو سکتی کہ وادی ستلج میں ہفت اقالیم کی ہفت تہا ذیب کا سنگھم بنیگا ——— ؟!

ــه
12 6/33

---

ــه ۱ یہ وہی تاریخ تھی جس روز مسٹر آرتھر کی پیش گوئی کے مطابق ظہور مسیح ہونا تھا

نمرۂ تسلسل (۵)

# روحِ تصوّر آئینۂ مجاز میں

## نایاب خصوصیّات کے بیش بہا دفتر
کا
## ایک زرّین ورق

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی (اقبال)

حضرت امام مہدی کے موضوع پر چار پوسٹر قلمبند کئے جا چکے ہیں، پہلا پوسٹر زیادہ تر فلسفیانہ تھا، دوسرا مذہبی، تیسرا سیاسی اور چوتھا جغرافیائی، ان پوسٹروں میں ظہورِ امام کا سہ گونہ تعین کیا گیا ہے، اب صرف ایک پہلو کی حد بندی تشنۂ تحریر ہے، یہ پہلو امام کی ان نادر خصوصیّات سے متعلق ہے جو ظہور سے قبل دورانِ تشکیل میں موصوف کو دیگر افراد سے ممیّز کرینگی، خصوصیّات مہدی

کی تخصیص کے سلسلے میں ہمیں منقولی اقتباسات سے اتنی مدد نہیں مل سکتی جس قدر معقولی اجتہادات سے، اگر ہم یہ معلوم کرلیں کہ موصوف کی نسبت استعجاب کی سب سے بڑی وجہ کیا ہوگی تو استدلال کیلئے ایک راستہ نکل آتا ہے، تحیر کا اہم سبب غالباً یہ ہوگا کہ امام موعود غیر متوقع سطح سے اُٹھکر ایک ایسی غیر متوقع بلندی پر پہونچ جائینگے جس کے اوجِ کمال سے ابتدائی سطح بے حد پست نظر آئیگی، اب اس نکتہ پر ایک عمیق نگاہ ڈالیں تو تشکیل مہدی کے بہت سے اسرار وغوامض منکشف ہوکر سامنے آسکتے ہیں، جب انسان ایک معمولی سطح سے اُبھرنا چاہتا ہے تو آغاز کار میں کئی ایک مجبوریاں حائل ہوتی ہیں، اُن مجبوریوں سے عہدہ براہونے کے مختلف طریقے ہیں، از روئے نفسیات ومنطق مہدی کا طریقۂ کار اور اُس طریقہ سے قابل استنباط شعائر وشمائل استخراج سے متعین کئے جا سکتے ہیں،

ذیل میں جو خصوصیات پیش کی جارہی ہیں اگرچہ ان سے بعض میرے ہی اجتہاد کے نتائج ہیں، لیکن یہ اجتہاد وعدم ادراک یا غیر معقولیت

پر مبنی نہیں، اختصار کی وجہ سے میں ہر خصوصیت کے لئے دلائل پیش کرنے سے معذور ہوں، لیکن اگر ذہین و فہیم قارئین اپنی قوت تخیل سے کام لیں تو محذوف مدارج کو استدلال سے بہ آسانی طے کر سکتے ہیں۔

موصوف اپنے کارہائے نمایاں (achievements) سے پہلے "مہدیت" کا دعویٰ کرنے میں متامل ہونگے ——— !

موصوف سرمایہ داری، شہنشاہیت، استعمار اور رائج الوقت جمہوریت کے شدید مخالف ہونگے،

موصوف دنیا کے نظام زر کو توڑنے کی کوشش فرمائینگے[۱] ؎

لعنتِ زر کو زمانے سے جڑ و سے اکھاڑ ڈالے گا

پاک ہو گا اسی مہدی سے یہ معمورۂ دوں

موصوف "خون و آہن" کی حکمت عملی کو بہت بڑی حد تک مٹا دینگے،

موصوف مروجہ نظام قوانین کو توڑنے کی کوشش کریں گے (اس

---

[۱] "بزر خود را مسنج اے بندۂ زر

کہ زر از گوشۂ چشم تو زر شد" اقبالؔ

خصوصیت کی تشریح راقم الحروف چند معزز وکلاء کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مقامی "بار روم" میں بالتفصیل کر چکا ہے )

مہدی کی سیرت کا رجحان تنہا روی کی طرف ہوگا، یعنی بڑے سے بڑے کام کو تن تنہا کرنے میں انھیں کوئی طاقت باز نہیں رکھ سکیگی،

موصوف قدیم و جدید اور بظاہر متضاد نظر آنے والے نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرینگے،

موصوف امکانات انسانی کی انتہائی حدود تک رسائی کو معرض عمل میں لاکر دکھلا دینگے،

موصوف اس بات کو ثابت کر دیں گے کہ مذہب جامد (static) نہیں ہے،

دوران تشکیل میں موصوف کا میلان طبیعت چیلنج مبارزت اور مقاومت کی طرف ہوگا، انھیں بیک وقت شش جہت محاذ جنگ قایم کرنے میں باک نہو گا، ——— !

موصوف دُنیا کے تمام افراد کے لئے انفرادی آزادی کے خواہاں ہونگے، اس سلسلہ میں ان کے قول و فعل اور تلقین و کردار کا

ماحصل یہی ہوسکتا ہے کہ انتہائی مسرت اور کمال ارتقاء ایسے توازن میں مضمر ہیں جو سخت دشواری اور مہیب خطرات سے خالی نہیں،

موصوف بہت سی زبانیں جانتے ہونگے، کیونکہ اپنے دورِ حکومت میں انھیں مختلف السنہ کی وسیع النشر ( Broadcast ) تقاریر کرنی پڑینگی،

موصوف کو بعض اوقات ایسے کٹھن مرحلوں سے گذرنا پڑے گا کہ اپنے اصولوں کی "جان" بچانے کیلئے وہ فروعی اصولوں کو قربان کرنے پر مجبور ہو جائینگے،

موصوف ویسے مہدی نہیں ہونگے جیسے عام طور پر مسلمان خیال کرتے ہیں کہ اُن کے ایک ہاتھ میں قرآن ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار، موصوف تو بیحد روادار انسان ہونگے اور ان کی نسبت کسی قسم کی وحشت کا خیال جائز نہیں ہوسکتا،

وہ چیزیں جو اوروں کے لئے متیسر الحصول ہونگی مہدی موصوف کے لئے متعسر الحصول ہو جائینگی،

موصوف خالص اشتراکیت کے حامی ہوتے ہوئے عوام کی زندگی

کے مختلف کوائف میں شرکت چاہینگے، مگر جو بے بصیرت اشخاص اُن سے ظاہری تکلفات اور کرّو فر کے متوقع ہونگے، وہ موصوف کو مہدی سمجھنے سے انکار کردیں گے اور تمسخر اُڑائینگے،

موصوف ایک ایسے دل کے مالک ہونگے، جس میں بقول "اسٹیٹسمین"[1]

("Statesman" کلکتہ مطبوعہ ۱۳ جون ۱۹۳۳ء)

تغیّر قلبی کے لئے بھک سے اڑا دینے والی سریع النفوذ اور زود اثر قوت بدرجہ اتم ہوگی،

موصوف کا حسنِ عمل اسلام کی شان جمالی کا آئینہ دار ہوگا، ان کے ہر فعل وعمل سے جمالیاتی ذوق ٹپکیگا، اور وہ جمالیات کے موجودہ معیار کو انحطاط سے نکال کر رُوبہ رفعت کرینگے،

قارئین میں سے جو اصحاب اس قسم کے استفسارات کا جواب چاہتے ہیں کہ امام مہدی کے ریش مبارک ہوگی یا نہیں، موصوف میں شریعت

---

[1] "The dynamic for a change of heart is still to seek and can only be found in the heart of a man who will change us."

کی ظاہری علامات (مثلاً نماز، روزہ وغیرہ) پائی جائینگی یا نہیں، ان کے مطالعہ کے لئے میں مکتوبات امام ربّانی مجدد الف ثانی رح (مترجمہ قاضی عالم الدین صاحب) میں سے اس مکتوب کا اقتباس ذیل میں پیش کرتا ہوں جو مجدد صاحب نے مرزا حسام الدین احمد کے نام تحریر فرمایا: "ہر مقام کے لئے علوم و معارف جُدا ہیں، اور احوال و مواجید جدا، کسی مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہے اور کسی مقام میں تلاوت اور نماز مناسب، کوئی مقام جذبہ سے مخصوص ہے اور کوئی مقام سلوک کے مناسب، اور کسی مقام میں یہ دونوں دولتیں ملی ہوئی ہیں اور کوئی مقام ایسا ہے جو جذبہ اور سلوک کی دونوں جہتوں سے جُدا ہے، نہ جذبہ کو اس سے علاقہ ہے اور نہ سلوک کو اس سے تعلق، یہ مقام نہایت عجیب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس مقام کے ساتھ ممتاز اور بڑی دولت سے مشرّف ہیں، اس مقام والے کیلئے دوسرے مقامات والوں سے پورا پورا امتیاز ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت کم مشابہت رکھتے ہیں، برخلاف دوسرے مقامات والوں کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، خواہ وہ مشابہت کسی وجہ سے ہو، یہ نسبت

گذشتہ اصحاب کرام کی نسبت حضرت مہدی علیہ السلام میں پورے طور پر
ظہور پائیگی' انشاءاللہ تعالیٰ"
موصوف ظاہری ساز و سامان کے بغیر بے شمار ممالک فتح کرلینگے'
بقول آتالیق یحییٰ بن عقب رض :- "سیملک للبلاد بلا محال"
موصوف کے خلاف ہمعصر علماء کی طرف سے کفر کے فتوے جاری ہونگے'
موصوف کی ڈاک پر حکومتِ وقت کا سنسر ( censor )
ہوگا'
موصوف کی مجبوریوں میں سے ایک اہم مجبوری یہ ہوگی کہ اپنا مافی الضمیر
دیگر افراد تک اسی درمیانی وسیلہ ( medium ) سے پہونچائینگے
جو ابتذالِ عامہ کے سبب بے اثر اور غیر معتبر ثابت ہو چکا ہوگا'
موصوف بین الملّی سیاسیات میں آنے سے پیشتر یگانۂ روزگار ادیب'
نغز گو شاعر' اور بے پناہ جرائد نگار ہونگے'
موصوف کا اپنا ہی ضابطۂ اخلاقیات ( moral code )
ہوگا' (ساحلی کفرستانوں ( Lidos ) اور "ہولی وڈ" (بقعۂ مبارکہ)
ایسے جنت نشان متفرجات کی رنگ رلیاں امام مہدی کے نزدیک ایک

حدتک انسانیت کے منافی نہیں ہونگی اور موصوف ان کے بعض پہلوؤں کے
کو ان وجوہات پر قابلِ مذمت و ملامت نہیں سمجھینگے جن کی بنا پر دیگر
اخلاقیین (خوشہ ہائے انگور کی روایتی ترشی کی مانند) "مذمومیت" اور
"مکروہیت" کے عذر الزام سے اپنی نارسائی کی خفت مٹاتے ہیں
اور مٹاتینگے)

جو کام دیگر اعیان و عمائد اپنے پرائیویٹ سیکرٹریوں، ایجنٹوں، رشتہ داروں
دوستوں وغیرہم سے لیتے ہیں وہ تمام کام مہدی موصوف کو بعض اوقات
اپنے آپ ہی سے لینے پڑینگے ——— !

موصوف کی رُوح ہیملٹ، شیلے، نپولین، ژان دارک، اور لینن کی
ارواحِ خمسہ کا نچوڑ ہوگی ——— !

موصوف کے خوابوں کی بستی یا تخیلی جزیرے کی دُنیا (Utopia)
انسانی رسائی تک مکمل معاشرتی اور سیاسی لائحہ تدبیر کے زیر نظام
ہوگی،

موصوف نظریۂ تقدیریت (Fatalism) کو اپنی زندگی
سے غلط ثابت کردینگے اور ان کے ہر عمل سے یہی مترشح ہوگا کہ :-

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے"

موصوف کی اہمیت اس میں نہیں ہوگی کہ وہ کیا ہیں بلکہ اس میں کہ وہ کیا ہو سکتے تھے، فی الحقیقت خدمتِ خلق کی بجائے ان میں ثقافت، فنونِ لطیفہ اور ادبیات کے نشو و ترقی کی زیادہ صلاحیت موجود ہوگی، وہ قومی اور ملکی فرائض محض "قطع کلام" کے طور پر انجام دینگے، اس لئے کہ وطن و ملّت کی ناگفتہ بہ حالت ان سے دیکھی نہیں جائیگی، اگر اُن کی جگہ کوئی ایسا شخص ہو جو ذاتی مفاد عزیز رکھے تو نہ معلوم وہ ذوق مخصوص کے خاص راستے پر چلکر کتنا کمال حاصل کرے، لیکن ایثار کی وجہ سے نہدی موصوف مفادِ ملّت کو ترجیح دینگے،

19 6/33

# جوہرِ انتخاب

"سخنے نگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم" (اقبال)

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور (غالب)

"حقیقتِ منتظر" کے چہارگونہ تعیّن کے بعد ترتیبِ اقساط اس امر کی مقتضی ہے کہ اب مضمون کے لبّ و لباب کی طرف اشارہ کیا جائے

اس پوسٹر کا موضوع دراصل ایک ایسے "فرد" کی تخصیص ہے جو اپنے ہمعنان ہمسروں کے مقابلہ میں (تعیناتِ مستخرجہ کے حصر و زد کے اندر رہتے ہوئے) استثنائی انفرادیت یا جداگانہ تشخّص سے ممیّز ہو

بعض قارئین (اور ان سے مستفیض ہونے والے عوام الناس) نے

خود ہی "نظریۂ مہدی" کے پوسٹروں سے یہ مطلب اخذ کر لیا کہ لطیفی کو مہدی ہونے کا دعویٰ ہے، میں واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ادعائے مہدیت کا مرتکب نہیں ہوا اور جن لوگوں نے اس امر کی تشہیر کی ہے وہ میرے پوسٹروں کو سمجھ نہیں سکے، اس سلسلے میں نیاز ایسا ادیب بھی مبالغہ آرائی سے کام لئے بغیر نہ رہ سکا موصوف کے تازہ مکتوب مورخہ ۱۹ / جون کا اقتباس ملاحظہ ہو :-

"دعوائے مہدیت تو خیر معمولی بات ہے آپ اس سے بھی زیادہ کے اہل ہیں" دیکھا آپ نے، یہ ہے مغالطہ کی انتہا، اس کے آگے تحریر فرمایا ہے :-

"خدا کے لئے مذہباً اس عقیدہ واہیہ کا پروپاگنڈا نہ کیجیے" اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام سے مدیر "نگار"[1] کو خدا واسطے کا بیر ہے خیر اس ناصحانہ ارشاد کا جواب یہ ہے ؎

"دلم را ہمیں کہ نالد از غمِ عشق
ترا با دین و آئینم چہ کار است؟" (اقبال)

اس میں شک نہیں کہ میں اپنی قوت ارادی (will power)

[1] صفحہ ۱۰۱ ملاحظہ ہو۔

پر کامل اعتماد رکھتا ہوں اور میری عزّتِ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنے آپکو اس طرح خطاب کروں ؂

"تری نگر میں ہیں وہ وسعتیں جو کسی نگاہ میں بھی نہیں
ترے دل میں ہیں وہ تجلیاں کہ جو مہر و ماہ میں بھی نہیں" منظور سیمابی

لیکن جو شخص اپنے قلم سے یہ لکھ چکا ہو "خود مہدی کو بھی اپنے ظہور سے قبل یہ عقیدہ رکھنا لازم ہوگا کہ مہدی ہر وہ مسلمان ہے جو اللہ کے رستے میں سر کٹانے کے لئے نکلتا ہے" وہ خود "ہمنفسانِ تمام" کے روبرو مہدی ہونے کا بے محل دعوے کس طرح کر سکتا ہے ؟

میرے نزدیک مہدیت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں، البتہ سر کٹانے کے مختلف طریقے ہیں، ایک شخص جو اپنے سر کو وبالِ دوش سمجھتا ہو خودکشی کے طور پر بھی اپنا سر کاٹ سکتا ہے لیکن ملّتِ بیضا کے مخصوص سرفروش کا "انداز جاں سپاہی" ایک امتیازی شان کا آئینہ دار ہونا چاہیئے، میرا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا خواب ایک خاص لائحہ مجوزہ پر مستقل عمل پیرائی ہی سے شرمندۂ

تعبیر ہو سکتا ہے، سوال حرف عالی ظرفی اور الوالعزمی کا ہے، جو شخص مقررہ پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائے، مہدیت کا دعوےٰ اُسی کو زیب دے سکتا ہے، مہدی کی جو خصوصیات از روئے استدلال پیش کی جا چکی ہیں، ان سے اس "مُصلحِ اعظم" کا لائحہ اصلاح بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے، جہاں تک میری مساعی کا تعلق ہے، میں اس پروگرام پر گامزن ہونے کی انتہائی کوشش کرونگا، چونکہ کسی دستور عزم پر عمل پیرا ہونے والا شخص اپنی سعی اقدام کو سب سے مقدم سمجھتا ہے، اس لئے اگر میں چند ہوا خواہوں یا "حواریوں" کی تحریک سے مہدی ہونے کا دعوےٰ کر دوں تو خود اپنی قوت عمل کے سلب کرنے کا مجرم ٹھہرونگا، بالفاظ دیگر اپنے دورانِ تشکیل میں مجھ سے مہدیت کا دعوےٰ ہو ہی نہیں سکتا اگر کہیں منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پیشتر جد و جہد کے اثنا میں میری سرگرمیٔ عمل کسی معرض گرفت میں آجائے تو میں اپنی ناتمامی کو ناکامی سے تعبیر نہیں کروں گا، میرے بعد میری کوشش کی صدائے بازگشت فضائے عالم میں یوں گونجے گی ۵

---

۵ وہ خواہ کوئی ہو لیکن حد! کے علم میں ضرور ہو گا۔

"مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا"

اور اگر میں کبھی اپنی مساعی میں کامیاب ہو جاؤں پھر مجھے دعوئے مہدیت کی ضرورت ہی نہ ہو گی، کیونکہ تمام دنیا میرے کہے بغیر مجھے مہدی تسلیم کر لیگی ؎

"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ "مہدیت" کا اجارہ دار کوئی مامور فرد نہیں، میرے علاوہ اگر دیگر افراد بھی محولہ بالا پروگرام پر عمل پیرا ہوں تو مجھے مخاصمانہ پرخاش کی بجائے ایک گونہ مسرت ہو گی اور اگر ان میں کوئی شخص اپنے ہمچشموں سے گوئے سبقت لے جائے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں مجھے کوئی عار یا انکار نہ ہو گا،

میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہونے والے مہدی (خواہ وہ کوئی ہو) کے نقطۂ نظر سے "ادعائے مہدیت" مقابلۃً مہدیت کے لئے چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور یوں بھی ارضِ ہند ایسی سرزمین میں جہاں ہر خود غلط و "ملنے" آئے دن اسٹیج پر چڑھ کر اپنے "مامور من اللہ" ہونے کا ڈھول پیٹتے رہتے ہوں کسی راستگو شخص کا مخلصانہ ادعا کیا وقعت

رکھ سکتا ہے؟ ؎

"ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی"

نظریہ عہدی کے آخری حصے میں غالباً میں ذاتی ذکر حذف کر دیتا لیکن "ایک معنی خیز اشارہ" کی تشریح کے خیال سے اپنی نسبت چند باتیں کہنے پر مجبور ہوں، بعض اوقات بعض مطالب خوش سلوبی سے اسی وقت ادا ہوتے ہیں جب ایک ایسا پیرایہ اختیار کیا جائے جو مقبول و مانوس ہو خواہ وہ بادی النظر میں مطالب کو اصل مفہوم کے برعکس ظاہر کرے، میں تقدیریت کا قائل نہیں محض اپنی تشکیل حیات کے اظہار کے لئے مسٹر راشد وحیدی ایم اے کا یہ شعر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ؎

"ذہن نقاش ہے مدہوشِ تصور اب تک
بن رہا ہے ابھی افلاک پر انگارہ مرا"

اس وقت میری عمر ساڑھے ستائیس ۲۷½ سال کے قریب ہے اور فی الحقیقت میں ایک ایسا "نابغۂ نیمرس" ہوں جو زیرِ تشکیل ہو آج تک

جس قدر نثریہ اور نظمیہ مضامین میرے قلم سے نکل چکے ہیں اور مختلف موضوعات پر میں خلبی تقریریں کر چکا ہوں اُن کا سرمایہ پیش نظر رکھتے ہوئے میں قارئین کرام کو صلائے عام دیتا ہوں کہ وہ "سن" "کم" اور "کیف" کی روشنی میں دیگر اُدباء کے ادبی کارناموں سے اُن کا موازنہ اور مقابلہ کرنے کے بعد خود ہی فوقیت کا فیصلہ کرلیں، علم دوست افراد میں جو اصحاب میرے دل و دماغ کو اجمالاً زیرِ مشاہدہ لانا چاہتے ہیں میں انھیں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ جریدہ "مطالعہ" کی فائل میں سے مندرجہ ذیل مضامین ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) "پائنیر سے دو حرف" (A Word to the Pioneer)

(مطبوعہ ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء)

(۲) "یاسمین کی اصول شکنی" ـــــ مطبوعہ ۲۸ اکتوبر ۳۲ء

(۳) نوٹ متعلقہ "فوٹو" ـــــ الیفلٹ نمبر ۱۷)

زیر تحریر پوسٹر میں اپنے ذاتی عنصر کو میں یہیں تک محدود رکھنا چاہتا ہوں، خدا نہ کرے مذکورہ بالا سطور سے انانیت کی بو آئے جب ایک طرف کسرِ نفسی ہو اور دوسری طرف تعلّی نہ خودستائی تو اظہارِ حقیقت کیلئے

میانہ روی کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، اسی جادۂ اعتدال پر میں نے
قلم کو جنبش دی ہے، میں تاریخ عالم کے بعض ایسے حیرت انگیز سوانح کا
حوالہ دے سکتا ہوں جو میری زندگی کے اہم واقعات کے متوازی
وقوع پذیر ہوئے، علیٰ ہذا القیاس میں اپنے ایسے نادر فقرات واقوال
بھی پیش کر سکتا ہوں جو "سخنے نگفتۂ راچہ قلندرانہ گفتم" کے مصداق ہیں
—— لیکن میں ایسا کرنے سے عمداً گریز کرتا ہوں یہ کام میرا نہیں کوئی
اور شخص قلم اٹھائے تو اٹھائے —— !

اگر اس صاف گوئی کے بعد بھی کوئی "کرمفرما" مجھ پر معترض ہوں
تو میں بصد نیاز عرض کرونگا ؎

اگر کاوی درونم را خیال خویش را یابی
پریشاں جلوۂ چوں ماہتاب اندر بیابانی

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ نظریہ مہدی کے تمہیدی[1] پوسٹر میں صرف

---

[1] صفحہ ۴۴ ملاحظہ ہو۔

چار پوسٹروں کی اشاعت کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن جب نفسِ مضمون پر قلم
اُٹھایا تو مختلف مستور پہلو نمایاں ہوتے گئے اور ان کے لئے مزید
گنجائش لاحق ہوئی، اسی وجہ سے چار پوسٹر مکتفی ثابت نہ ہوئے اور
نصف درجن تک نوبت پہنچ گئی، لیکن اگر سچ پوچھئے تو عرض کروں
کہ میں نے نہایت ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے، بہت سے ایسے
حوالہ جات جن کا براہِ راست نظریہ مہدیت سے تعلق تھا نظر انداز
کر دیئے گئے، مثلاً شاہ نعمت اللہ ولیؒ، مسز اینی بیسنٹ اور علامہ
عنایت اللہ مشرقی کے بیانات، پنجاب میں ڈاکٹر اقبالؔ اور مولنٰنا
ظفر علی خان ایسے اصحاب عقیدۂ مہدی کے معتقد ہیں، اقبالؔ کے
بعض ارشادات کا تو میں نے حوالہ دیا ہے، مولنٰنا ظفر علی خان کا بھی
ایک شعر سُن لیجئے ؎

"یہ مہدی کی آمد کے ساماں ہیں سارے
پیمبر کے وعدے قریب آرہے ہیں"

جن محذوفات کی طرف سطورِ بالا میں اشارہ کیا گیا ہے اُن کے
علاوہ میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ چوتھے پوسٹر میں شہر لدھیانہ کی مکمل

تعریف نہیں ہو سکی اس کے بائیں کالم کے دوسرے بہرہ تحریریں
ایک دریا کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی، جس شہر میں
باقاعدہ گمراہی کی تربیت ہوتی ہو اس کے بیان سے عہدہ برا ہونے
کے لئے متعدد جلدوں اور دفتروں کی ضرورت ہے یوں تو یہاں
کا ہر لیڈر ایک اچھا خاصہ "دجال" ہے، لیکن ملکی اور قومی تحریکوں
کے دو خود ساختہ اجارہ دار خاص طور پر "دجال اصغر" اور "دجال
اعظم" کے القاب سے پکارے جانے کے قابل ہیں ——— !
طبقہ ذکور سے قطع نظر اس سرزمین کی ایک علامہ عورت بھی
خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو خدمت خلق کے بہروپ میں مذہبی
تعصب سے مجنون ہو کر مصیبت زدہ لڑکیوں کو اپنی ابلہ فریبیوں کا شکار
کر رہی ہے، اس کی فسوں گری طلسم سامری سے کسی طرح کم نہیں وہ اپنی شاطرانہ
چالوں، مصیطرانہ گھاتوں اور قابو چیانہ ریشہ دوانیوں سے بدنصیب
اور فلک زدہ جوانیوں کو معصیت کی چاشنی سے لذت آشنا کر کے
برملا اخلاق دشمن، عفت شکن، اور انسانیت سوز تہذیب کی نشر و
اشاعت کے "فرائض" انجام دے رہی ہے، ممکن ہے میری اس حق گوئی

سے اس کی باندیاں مہاراجہ قادیاں کی بھیڑوں کی طرح میا اُٹھیں اور خود بھی اپنی بارگاہِ خاص میں تلملا اُٹھے اور اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔ لیکن یہ وہ حقائق ہیں کہ ؎

"بر دار تواں گفت بہ منبر نتواں گفت"

میں اس آخری قسط کو خدا سے اقبال کے اِن الفاظ میں خطاب کرتے ہوئے ختم کرتا ہوں ؎

وقتِ برہنہ گفتن است، من بہ کنایہ گفتہ ام
خود تو بگو کجا برم ہم نفسانِ خام را

**اعتذار** - ۲۴ر جون کو سرہند کے عرس میں شریک ہونے کے باعث میں آخری پوسٹر کو قدرے تاخیر سے شائع کرنے کے لئے معذرت خواہ ہوں،

**نوٹ** - نظریہ مہدی کے تمام پوسٹر عنقریب کتابی صورت[۱] میں شائع کئے جائینگے

29 6/33

---

[۱] اس وعدے کی تکمیل اشاعت ثانی سے کر دی گئی ہے۔

# فلسفۂ غیبت کا ابطال

(ضمیمہ)

مسئلہ غیبت پر رائے زنی کرنے سے پیشتر میں اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے دلائل ابطال بہم پہنچانے سے شیعہ و سنی کا سوال پیدا کرنا مقصود نہیں، جس طرح دنیائے سائنس میں مختلف سائنسدان مختلف نظریات پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اختلاف رائے کے باوجود ان میں مخاصمت اور تعصب کی خلیج حائل نہیں ہوتی اسی طرح مذہبی فرقہ بندیوں کی تلخیوں کو اسی صورت کم کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم متنازعہ فیہ مسائل پر رواداری اور بے تعصبی سے اظہار خیال کریں میں قارئین کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ابطال غائبیت پر اس لئے آمادہ نہیں ہوں کہ وہ اہل تشیع کا عزیز عقیدہ ہے بلکہ اگر سنی حضرات بھی اس چیز کے قائل ہوتے تو بھی میں اس مسئلہ پر ذاتی نقطۂ نظر واضح کرنا اپنا فرض سمجھتا،

امامیہ مشن، یوپی نے سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے مہدی منتظر کے موضوع پر ایک رسالہ موسوم بہ "وجود حجت" شائع کیا ہے یہ

تبلیغی رسالہ مجتہد العصر مولانا سید علی نقی صاحب کی مذہبی تصنیف ہے اور اعتقادِ غیبت، وجودِ امام کے اثبات و انکار، مسئلہ امامت، امن و امان کی حفاظت، اوصاف و خصوصیاتِ مہدی، علاماتِ ظہور، عیسیٰ ابن مریم احادیث کے تواتر، دعاوئ قادیانی، سلسلۂ باب و بہائی وغیرہ وغیرہ کے گوناگوں ابواب پر مشتمل ہے، لیکن تقریباً نصف کتاب فلسفۂ غیبت کی نذر کی گئی ہے،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظریۂ غیبت کو زیرِ بحث لانے سے قبل اس سلسلے میں فرقہ شیعہ کے جزئیاتِ اعتقاد پیش کر دیئے جائیں، جس حد تک میں نے "وجودِ حجت" کا مطالعہ کیا ہے اس کے مطابق اہلِ تشیع کا عقیدہ حسبِ گنجائش یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) امامتِ حقہ جس کے سلسلۂ نخجمہ میں امام حضرت علی کرم، امام حسن مجتبےٰ رح، امام حسین رح، امام زین العابدین رح، امام محمد باقر رح، امام جعفر صادق رح، امام موسیٰ کاظم رح، امام رضا رح، امام محمد تقی رح، امام علی نقی رح، اور امام حسن عسکری رح منسلک تھے، اپنی نوعیت کے لحاظ سے کم و بیش پردۂ غیبت ہی میں ہی اور کبھی نمایاں طور پر دنیا کے ظہور میں نہیں آئی، موخر الذکر امام (حسن عسکری رح)

کی وفات سے پیشتر عباسی سلطان کے فرمان نظر بندی کے سبب قیام امام سامرہ[1] میں رہا، اور اسی مقام پر ۲۵۶ھ (نویں صدی عیسوی کے اوائل) میں حضرت کے ہاں اس پراسرار بچہ کی ولادت ہوئی جس کا واقعہ تولید ان عقائد کی بنا پر جو ان دنوں زبان زد خلق تھے خلافت وقت کے ارکان کیلئے ایک مہیب زلزلہ کی حیثیت رکھتا تھا،

نومولود مذکور کے انکشاف راز پر بلا زمان حکومت نے مسکن امام کی تلاشی لی اور حضرت کے تمام ازواج و جواری کو حراست میں کر لیا، بعد ازاں سراغ رساں اس سرداب (تہہ خانہ) میں بھی پہنچے جہاں نومولود کا قیام بتلایا جاتا تھا، مگر (مصنف "وجود حجت" کے قول کے مطابق) "ظاہری بصارت کے چراغ اس نور مجسم کے سامنے گل نظر آئے اور آنکھوں کی بینائی نے اس کے مشاہدہ جمال میں یارا نہ دیا"

یہی غائب شدہ کڑی امام دوازدہم اور مہدئی موعود ہے جو

---

[1] بغداد سے چند میل کے فاصلہ پر ایک تاریخی قصبہ اس کا عنوان اُس نام کا مخفف ہے جس کا مفہوم ویرینہ خوش باشی کی بنا پر یہ تھا۔ سے "جس نے دیکھا اسے وہ شاد ہوا"

سنہ ۲۵۶ھ سے لیکر اب تک دُنیا کے کسی نہ کسی گوشہ میں بقید جسم و حیات مستور و محفوظ ہے، روایات مروّجہ کے مطابق موصوف چودھویں صدی ہجری میں اپنی ساعت موعودہ پر پردۂ غیبت چاک کر کے آشکار ہونگے اور مسلمانانِ عالم کو دنیا بھر کی سلطنتیں دلا دیں گے،

یہ ہے وہ عقیدہ جس پر صحیح روشنی ڈالنے کیلئے لازم ہے کہ پہلے لفظ "غیبت" کا تجزیہ کر لیا جائے غیبت کا سادہ مفہوم تو وہی ہے جو اہل نظر کے نزدیک ہو سکتا ہے لیکن مصنفؒ "وجودِ حجت" نے گذشتہ گیارہ اماموں کی غیبت امامت (جس کی تجلیات گوشہ نشینی دار و امر کے پردوں میں مخفی تھیں") کے سلسلہ میں صفحہ ۴۴ پر سیاہ و تار قید خانوں، زنجیروں کے حلقوں، اغیار کی حراستوں، مضبوط پہروں وغیرہ وغیرہ کو غیبت کے تاریک حجابوں میں شمار کیا ہے، ایسی حالت میں لفظ غیبت، نارسائی بصر، ناشناسی نظر، روپوشی ناتمام یا نیم حضور کے مترادف ٹھہرتا ہے اور ائمہؑ مذکوران معنوں میں غائب قرار نہیں دیئے جا سکتے جس طرح عام طور پر روزمرہ کے استعمال میں لفظ غائب کا اطلاق ہوتا ہے، خیر ہمیں گذشتہ ائمہ سے تو بحث نہیں، اور انکی غیبت، نیم غیبت یا عدم غیبت کے مسائل بھی خارج از سوال ہیں، یہاں تو

امام منتظر (جو اہل تشیع کے نزدیک بارھویں امام ہیں) کی غیبت کا مسئلہ درپیش ہے، سید علی نقی صاحب منکران غیب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں :-
" یہ تنگ خیالی نہیں تو کیا ہے کہ انسان اپنی دُنیا کو محسوسات میں محدود سمجھ لے اور محسوسات بھی وہ جن میں کوتاہ نظری کی حدیں قائم ہیں" بیشک سید صاحب کا یہ فرمانا بجا ہے اور یوں بھی جب اسلام کی تعلیم یہ ہو کہ

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

تو کسی شخص کو مابعد الطبعیات کی غیر محدود وسعتوں اور خواب ہائے دور و دراز کی ورا الورا کائناتوں کے امکان سے کیسے انکار ہو سکتا ہے، لیکن توہم پرستیوں کی کارفرمائی اور قوی بنیاد حقائق کے اعتقادات کی کرشمہ کاری میں ہم کس طرح امتیاز کر سکتے ہیں جب مفروضہ موجودات غیب کے ثبوت وجود کے لئے ہمارے ذرائع محدود ہوں؟ مصنف "وجود حجت" نے اپنی کتاب میں جاہلی عربوں، قدیم ہندوستانیوں اور دور عتیق کے چینیوں کے اعتقادات کو بے بنیاد توہمات سے تعبیر کیا ہے لیکن اگر موصوف صاف گوئی معاف فرمائیں تو میں عرض کروں کہ مجھے تو مصنف مذکور خود بھی ان خوش اعتقاد احزاب کی صف میں کھڑے نظر آرہے ہیں! جس تلازم عقلیہ کی اہمیت پر انھوں نے یہ کہہ کر

زور دیا ہے کہ "وہ ہمیشہ ظاہری احساسات سے خارج ہوتا ہے" میرے نزدیک مہدی منتظر کے سلسلے میں وہ ایک ایسی بوالعجبی ہے جسکے سمجھنے سے خود عقل بھی قاصر دکھائی دے رہی ہے اگر یہ باور کر لیا جائے کہ گیارہ اماموں کے بعد ابتک تقریباً گیارہ سو سالوں[1] کے دوران میں امام دوازدہم (مہدی موعود) اس غرض سے زندہ رہے ہیں کہ وہ چودھویں صدی ہجری کے کسی حصے میں ظاہر ہو کر مسلمانانِ عالم کو پستی سے نکال کر اس قدر روبہ رفعت کر دینگے کہ دنیا کی سلطنتوں کے تاج ہائے گوہریں ان کے قدموں میں پڑے ہونگے تو یقین رکھئے کہ مسلمانوں کی قوتِ عمل سلب کرنے کیلئے اس سے زیادہ گمراہ کن عقیدہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ حریت باختہ اور غلام و محکوم مسلمانوں کی روحیں یوم النشور کے موقعہ پر خدا سے یہ برملا کہہ سکینگی کہ اگر تو نے مہدی منتظر کو ہماری زندگی میں نہ بھیجا تو یہ ہمارا قصور نہ تھا علیٰ ہذا القیاس تمام اعمال مشتمیہ کی تمام ذمہ داری خدا پر پھینک دی جائیگی اور جزا و سزا بے معنی ہو کر رہ جائینگے"

---

[1] اب سے چار سال کے بعد سامرہ کے واقعہ ولادت کو پورے گیارہ سو سال ہو جائینگے۔

مزید برآں" اگر دنیا میں اتنے انبیاء اور مرسلین کے توسط سے اتنی بیداری، روشن خیالی اور علمی روشنی کی ترویج کے بعد بھی انسانی دل و دماغ اور ذہن و روح میں اس قدر صلاحیت تسلیم نہ کی جائے کہ کوئی نہ کوئی انسانی فرد از خود انسانی نسلوں سے ورثہ میں پائی ہوئی ہدایت کی روشنی میں اپنی جدوجہد سے گم کردہ راہ افراد و اقوام کو راہ راست پہ لا سکتا ہے (اور نے آئیگا) تو ابتدائے آدم سے لیکر ساری تاریخ نبوت و رسالت کی اہمیت ایک صفر کے برابر رہ جائیگی، اور یہ حیرت خانہ امروز و فردا ایک کھیل کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکیگا" عقیدۂ غیبت کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ ایک دفعہ اسے تسلیم کر لینے کے بعد عمل کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی، قرآن شریف کی یہ آیت :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مسلمانان عالم دنیا بھر کی سلطنتوں کے مالک اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب وہ مسلسل تگ و دو، متواتر جد و جہد اور پیہم سعی و کاوش میں مصروف ہوں، یعنی بصورت دیگر (غیبت پر تکیہ کرتے ہوئے) نہیں ہو سکتے لہذا عقیدۂ غیبت خود بخود غلط ٹھہرتا ہے، عقیدۂ غیبت

کے معتقدین اپنی اجتماعی زندگی کے عملی پہلو کی اصلاح کی بجائے
ایک بے سود انتظار میں وقت ضائع کر رہے ہیں ان کے ابتلائے انتظار
کی ہیئت کذائی سے مجھے اس غریب خوردہ بے زبان پالتو جانور
( Pet Animal ) کا قصہ یاد آ رہا ہے جس کا آقا
ہسپتال میں چند روز زیر علاج رہنے کے بعد مر گیا لیکن بعض لوگوں
کے اشاروں سے سمجھانے کے باوجود وہ حیوان یہی یقین کرتا رہا کہ اس کا
آقا ابھی زندہ ہے اور کسی نہ کسی روز پردۂ غیبت سے باہر آجائیگا۔
اس یقین کی بنا پر اس نے ہسپتال کے دروازے پر برابر پہرا جاری رکھا اور
اس کے انہماک انتظار کو دیکھکر لوگوں کو اس کی حالت پر رحم آتا تھا۔

بعینہٖ مجھے اُن حضرات پر رحم آ رہا ہے جو نئے عقیدہ میں حقیقت
سے کوسوں دُور رہتے ہوئے یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ امام حسن بن عسکریؒ
کے صاحبزادہ اتنی صدیاں گذرنے کے بعد اب تک زندہ ہیں اور
عنقریب ضرور ظاہر ہونگے۔

---

# مُنکرانِ خدا اور تجدیدِ عمل (ضمیمہ)

بادی النظر میں قارئین کو "نظریۂ مہدی" اور منکرانِ خدا کے رجحانِ عمل میں شاید کوئی نسبت نظر نہ آئے لیکن اگر وہ غور فرمائیں گے تو انھیں ایک گہرا تعلق دکھلائی دے گا۔ دنیا کی موجودہ صورتِ حالات اور مشکلات کا حل جہاں ایک طرف زاویۂ مہدیت سے تجویز کیا جا رہا ہے وہاں دوسری جانب نئی روشنی کے عَلَم بردار یعنی مذہبی عقائد کو توہمات سے تعبیر کرنے والے حضرات ایک متوازی حل پیش کرنا چاہتے ہیں جو اساساً انکارِ الوہیت پر مبنی ہے۔

ہمارے وطن میں مذاہب کی بیخ کنی اور استیصال کے خواہاں افراد کا آغازِ عمل مذموم ہو تو ہو لیکن تعجب انگیز نہیں کیونکہ سجاد ظہیر، سجاد انصاری، شاداں بلگرامی، عسکری مجازی اور نصیر الدین بھاگلپوری ایسے سرکشوں کی "بغاوت" ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی غلو اور دقیانوسی خیالات کی اندھا دھند تقلید کے فطرتی ردِّ عمل کا نتیجہ ہے۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ الحاد کی تحریک ہندوستان میں روز بروز ترقی پر ہے اور اگر یہی حال رہا تو کیا عجب چند سالوں کے عرصے میں اکناف و اطراف ہند میں بہتم بالشان پیمانہ پر ارتداد و زندقہ کے ادارہ ہائے تنظیم قائم ہوجائیں اور ہندوستان کے جوشیلے نوجوان انقلابی اصولوں کی نشر و اشاعت میں تن دہی سے شریک ہوں۔ اس وقت پنجاب اور یوپی سے جس دیدہ دلیری کے ساتھ آغاز تحریک ہوا ہے اس کا ثبوت ایک طرف انٹی ریلیجیس سوسائٹی لاہور کی خطرناک کتاب "تجدید عمل" ہے اور دوسری طرف "نگار" کے وہ تخریبی مضامین ہیں جن کا مہلک زہر ملک میں سرعت کے ساتھ سرایت کر رہا ہے،

ذاتی طور پر تو میں اس سرتابی اور سرکشی کی رو پر خوش ہوں اس لئے کہ مجھے اس کے ماوراء ایک ایسا مستقبل نظر آرہا ہے جو آخر کار ہمیں منزل صداقت کی سمت لیجائیگا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ (خدانخواستہ) میں خود بھی باغیٔ مذہب ہوں، باور کیجئے کہ میں اپنے خامہ و زباں کو تبلیغ الحاد سے آلودہ دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا،

مدافعت اسلام کے لئے میرا قلم ہر وقت حاضر ہے اور مخالفین

کے اعتراضات کا جواب دینے کے واسطے میں ہمہ تن مستعد ہوں،
اس موقعہ پر میرا زاویہ نظر کچھ ایسا ہے کہ اگر میری جگہ علامہ سید
جمال الدین افغانیؒ ہوتے تو "ناطوریت" کے ازالہ کے لئے ان کے
دلائل کارگر ثابت نہ ہوتے کیونکہ غالباً وہ انہی براہین کا اعادہ فرما دیتے
جو آپ نے اپنی ایک فارسی کی تصنیف میں رفع دہریت کیلئے قلمبند
کئے تھے،

سید صاحب نے مادہ پرستی کی مختصر تعریف بیان کرنے کے بعد
مادہ پرستوں اور نیچریوں کے فرقے شمار کئے ہیں، اور ثقافت و
تمدن میں انکے انقلابی ہنگاموں کو تباہ کاریوں سے تعبیر کیا ہے،
ردِ دہریت کے انہماک میں لگے ہاتھوں انھوں نے روسو اور والٹیر ایسے مشاہیر
کو بھی مرشد طاہرہ اور ساحر الموت کے زمرے میں شامل کر دیا،

یہ اقتباس ملاحظہ ہو:—

"ان دو ملحدوں (روسو اور والٹیر) نے اپیکورس کلبی کے گڑے مردے
کو اکھیڑ کر "ناطورازم" کی بوسیدہ ہڈیوں میں از سر نو جان ڈالنے کی
کوشش کی، ان دونوں نیچریوں کی تعلیم فاسد کے اثر سے اولاً فرانس

میں مشہور شورش برپا ہوئی پھر اخلاق وخیالات میں تشتت اور افتراق پیدا ہوگیا"

میرے خیال میں روسو اور والٹیر پر یہ صریحاً زیادتی ہے اور انکی تعلیم کو فاسد کہنا از روئے انصاف صحیح نہیں ہوسکتا، وہ دونوں تو وہ ایسے نشتر تھے جنھوں نے شاہان بوربون کے زہریلے اثرات اور مادہ فاسدہ پر انشراح فصد کی خدمت انجام دی، وہ اپنے ساتھ ایک ایسی بیداری لیکر آئے جس نے مسیحیت زدہ یورپ کو جھنجوڑ دیا۔

ہمعصر منکران خدا کے دلائل کاٹنے کے لئے میں ایسا جواب مفید نہیں سمجھتا جو تازہ وارد اور نو مطبوعہ رسائل و کتب کے حوالۂ شرح و متن سے قطع نظر محض ایک طائرانہ نظر کے مشابہ ہو، جدید مطبوعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترتیب تبصرہ کی غرض سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نقد و نظر کا پہلا حصہ "تجدید عمل" سے مخصوص کردیا جائے اور دوسرا "ہفوات نگار" سے،

(۱) "تجدید عمل" مرزا عسکری علی خاں صاحب مجازی کی تصنیف ہے جو ایک لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے اگرچہ بیشتر

رسائل و جرائد کے مستقل مبصروں نے اس چیز کو محسوس نہیں کیا، پہلے پہل مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا اتفاق دفتر "زمیندار" میں ہوا اور وہیں میں نے اس پر رسالہ "جامعہ" (دہلی) کی تنقید پڑھی تھی، بعد ازاں مجھے اس کی نسبت چند ممتاز جرائد نگاروں اور ادیبوں کی آرا سننے کا اتفاق ہوا، لیکن میں نکتہ چین اصحاب کے اعتراضات سے کچھ ایسا مطمئن نہیں ہو سکا، اس میں شک نہیں کہ بعض ابواب اور انکی بعض فصلیں کماحقہ بسیط و عمیق نہیں ہیں، اور ان میں معقول اضافہ کی گنجائش ہے، لیکن کتاب کے اوراق جتنے بھی ہیں خوب ہیں، اگرچہ مجھے بعض امور سے اختلاف ہے،

مجازی صاحب نے عوام الناس کی ذہنیت، مذہب کے نفسیاتی اجزاء، مسلک عقلیت، پارینہ مذاہب کی ساخت، ماہیت معجزہ، مذہب میں سیاسی اجزاء، ذہن کے فطری ارتقاء میں آسمانی مذہب کی مزاحمت، معصیت میں جبر و اختیار، ذہنیت پر ماحول کا اثر، مذہب کے بغیر نظام معاشرت کے برقرار رہنے کا امکان، خصوصیات مجتہدین، ادبا و شعراء وغیرہ وغیرہ) ایسے موضوعات

پر خامہ فرسائی کی ہے اور اپنی جوانی کے مشن کا بوجھ احسن حق ادا کیا ہے'

فی الحقیقت مذہب پرستوں کے لئے "تجدید عمل" کے صفحات ایک دو آتشہ چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا جواب اتنی آسانی سے نہیں دیا جا سکتا جس قدر مُبصرینِ ادب و فلسفہ خیال فرماتے ہیں' جناب سالک ( مدیرِ "انقلاب" ) کا یہ ارشاد کہ مجازی کی آزادیٔ خیال فی الواقعہ آزادخیالی نہیں بلکہ ( free thinking کی بجائے ) "loose thinking" ( انتشارِ تفکر ) ہے' مجازی کے نتائج و اقوال کی اہمیت کو زائل نہیں کر سکتا'

مذاہب عالم نے دُنیا میں جو خاک اڑائی ہے' اس پر عبرت و بصیرت کے ان مخصوص مضامین کے پیش نظر جو قیام فرانس کے زمانے میں میرے قلم سے نکل چکے تھے اغلب تھا کہ "تجدید عمل" سے ملتی جلتی کوئی چیز میرے اپنے ہی قلم سے نکل جاتی! اور یوں بھی ہندوستان کے لئے اجتماعی اصلاح کا جو لائحہ عمل میں نے نومبر ۱۹۳۱ء میں (بزبان فرانسیسی) مرتب کیا تھا' اس کے ایک گوشہ میں اب تک یہ الفاظ

تحریریں 'Sans Religion' (ساں ریلیجیوں)
(یعنی "مذہب کے بغیر") ——— !

لیکن مراجعت ہند کے بعد مجھے اپنے پروگرام کے اس ٹکڑے میں
ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کا سبب نتیجہ مطالعہ تھا کہ ایشیا
کے انقلابات جو مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہو سکتے ہیں شدید سے
شدید پروپاگنڈے کے باوجود بھی اُن پتھر کی لکیروں کو مٹا نہیں سکتے
جو اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر کھینچ دی ہیں۔ میری
مراد یہ ہے کہ زمانہ کے ہر کروٹ پر انقلاب کی ہمہ گیری محدود ہوتی ہے
اس نسبت سے جس حد تک منقلب ہونیوالی قوم پہلے سے کسی خاص
سانچے میں پختہ طور پر ڈھل چکی ہو۔

غیر مسلم ملل اور ملت اسلامیہ میں سب سے بیّن فرق یہی ہے کہ
جہاں مقدم الذکر کا مذہب آسانی سے پگھلایا جا سکتا ہے وہاں
مسلمانوں کا مذہب اپنی جگہ سے سرمو بھی سرکایا نہیں جا سکتا !
خصوصاً وسطِ مشرق کے مسلمان اُن نسلوں کی پیداوار ہیں جن کا مذہب
ہمیشہ جسم و روح کا ایک جزو لا ینفک رہا ہے لہذا خواہ ان میں ہزار دل

گمراہ اور گمراہ کن مولوی پیدا ہوئے ہوں (یا ہو جائیں) وہ روس کے رسوائے عالم پادری راسپوٹین کے ہم وطنوں کی طرح مذہبی ردِ عمل میں کبھی مذہب کو خیرباد نہیں کہہ سکتے۔

مجھے یہ دیکھ کر قدرے خوشی ہوئی ہے کہ مجازی صاحب کی نفیِ مذہب بے نظمی، عدمِ نظام یا لا مذہبیت کے مترادف نہیں قرار دی جا سکتی اس لئے کہ وہ انہدامِ مذہب کے بعد سوسائٹی کے ایک جدید نظام کے پیش کرنے کے مدعی ہیں اور یہ "نظامِ تجدیدِ عمل" کے عنوان سے مترشح ہے۔ ایک لحاظ سے میں "تجدیدِ عمل" کو اپنے ہی خیالات کا ایک رخ تصور کرتا ہوں۔ مجھ میں اور مجازی میں یہ امتیاز ہے کہ میں لوازماتِ مذہب سے بیزار ہوتے ہوئے اصل مذہب سے مایوس نہیں ہوا اور وہ قطعی طور پر مایوس ہوتے ہوئے ایک عاقبت نا اندیشانہ (desperate) اقدام کرنے پر آمادہ ہیں۔ نتائج سے قبل کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حق بجانب کون ہے۔

اگر آئندہ چالیس پچاس برس تک بھی اسلام ہندوستان کو مغربی استعمار سے

نجات[1] نہ دلا سکے تو پھر یقیناً مجازی صاحب اور ان کے ہم خیال
حضرات کے نظریات کا درست اطلاق ہو سکے گا، اور ان کے اسمائے
گرامی فی الحقیقت مصلحین اعظم کی فہرست میں درج کئے جائینگے!
بلا مبالغہ "تجدید عمل" میں کئی ایک پتے کی باتیں کہی گئی ہیں، دیباچہ
میں نوجوان مصنف قومی فقدان پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
"(ہندوستان میں) آج کوئی ایسا صاحب قلم نہیں جو قومی روح کو
جگا دے یا صحیح معنوں میں قومیت کے ساز کو چھیڑ دے!"
باب دوم میں تغیر زمانہ کے متعلق لکھتے ہیں:- "اس قسم کا
انقلاب قوموں میں اس وقت آتا ہے جب ان کا مزاج عقلی یا
روح تبدیل ہو جائے اور یہ انقلاب بھی یکایک ظہور پذیر نہیں

---

[1] "If India is not free within the next ten years I shall refuse to believe in God — I shall be an atheist"!
from a letter dated 18th June, 1931, London

ہو سکتا" بلکہ پہلے تو اپنے موجودہ تمدن کے خلاف رجحانات آہستہ آہستہ ایک مدت تک دماغ میں پکتے رہتے ہیں اور جب یہ تشکیل کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو یکایک کوئی قوی الارادہ شخص اس پرانے خیال کے خلاف جہاد کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور تمدن کے تختہ کو اُلٹ دیتا ہے"

مذہبی اساطیر کی نسبت غیر معمولی جرأت سے کام لیکر یوں اظہار خیال کرتے ہیں :- "یہ سب کہانیاں ہیں جو آہستہ آہستہ بچّہ کے نفسیات میں پیوست کر دی جاتی ہیں، نہیں بلکہ قومی نفسیات میں صدیوں کی کوششوں کے نتیجہ سے پیوست ہو گئی ہیں اور جنھوں نے اب طلسموں کی صورت اختیار کر لی ہے جنہیں یا تو توڑنے کی تدبیر نکالو ورنہ وہ خود تمہیں ہضم کر جائینگے"

میں ان خیالات سے لفظ بلفظ اتفاق کرتا ہوں اور مجھے مصنف مذکور کو ان "باغیوں" میں شمار کرنے سے بھی گریز نہیں جن کی کاوشوں کی "داد" بقول موصوف زمانہ ہمیشہ ظلم و ستم سے دیتا ہے جو آیندہ ترقی کی سیڑھیاں ہوتی ہیں، جن کے "کفر" کے دامن سے بان

کی سلامتی ہے اور جن کی کافرانہ سرگرمیوں کے سائے میں
ایمان پرورش پاتا ہے لیکن ساتھ ہی میں ایک اندیشہ کا اظہار
کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا، چونکہ مجازی صاحب کے نزدیک تمام
گنجینۂ حقایق کی کلید عقل ہے جس کی کسوٹی پر وہ تمام مذہبی عقائد کو
کو پرکھنا چاہتے ہیں لہذا مجھے خوف ہے کہ ماورا عقل کی غیر مرئی
کڑیوں کے ادراک سے ان کا فلسفہ قاصر و محروم رہ جائیگا،

دسویں فصل میں موصوف تحریر فرماتے ہیں :- "وحی، معجزہ،
اور الہام کے متعلق ایک نیک نیت نقاد کیا رائے زنی کرسکتا
ہے ؟ وقتی طور پر اس قسم کی شعبدہ بازی (شعبدہ بازوں کی)
کامیابی میں سہولتیں پیدا کردیتی ہے مگر آخر کار روشن خیال طبقہ
کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی ،،

بعض سلسلہ ہائے کائنات سے (ایسے مسائل میں جہاں
انسانی فہم عاجز ہو) صرف اس لئے انکار کر دینا قابل فخر
نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمارے حواس خمسہ کے ادراک میں
نہیں آسکے، میرے نزدیک ایسے مواقع پر "عقل بینا" سے

"کورانہ روشؔ" اس لئے قابلِ ترجیح ہے کہ وہ سراغ رسانیٔ
حقیقت کا زیادہ موثر ذریعہ ہے، بقول مولانا رُومیؔ ؎

"چند گاہش گام آہو در خور است
بعد از اں خود نافِ آہو رہبر است
راہ رفتن یک نفس بر بوئے ناف
خوشتر از صد منزلِ گام و طواف"

---

لہ یہاں ہر "کورانہ روش" مراد نہیں بلکہ اس نوع کی رفتار جو
"نافۂ وجدان" کے تعاقب میں ہو ۔۔۔!

---

(ب) ہفواتِ "نگار" کے سلسلے میں حسب بیان میں اپنے خیالات قلمبند تو
کر چکا ہوں لیکن سردست مجھے اپنا مضمون شائع کرنے میں بس مصلحت کی
بنا پر تامل ہے کہ مدیر "نگار" التواء کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی مذہب سوز
حرکات سے مجتنب رہینگے۔ ورنہ "چہ کا کرے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"
کے مصداق انھیں خمیازہ اٹھانا پڑیگا ۔۔۔۔۔۔۔ ؎
"پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی"

# ترتیب

# نوٹ

ادارۂ اشاعت کی طرف سے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ "نظریۂ مہدی" کے اوراق میں کتابت کی کوئی غلطی نہ رہنے پائے، اگر اس اہتمامِ صحت کے باوجود قارئین کرام کو چند غلطیاں نظر آئیں تو یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ وہ ربطِ مضمون کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذرا سی توجہ سے کام لے کر خود ہی تصحیح فرمالینگے،

لہذا اغلاط نامہ (errata) شائع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی،

(مسئول طباعت)

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ایم حسن لطفی
پرنٹر و پبلشر چھپی اور دفتر "مطالعہ" ویکفیلڈ گنج لدھیانہ سے
شائع ہوئی ۔

(In Press)
"Latifiat" — Vol. II
(Copyright)
An Urdu anthology of
about 250 pages containing over
1000 couplets by Latifi: (English render-
-ing will be undertaken afterwards) Price—2 shillings.
لطیفیات
(جلد دوم)
(زیر طبع)
(جملہ حقوق محفوظ)

قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:- دفتر "مطالعہ" شاطو، ویکفیلڈ گنج، لدھیانہ

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ایم حسن لطیفی پرنٹر و پبلشر چھپی اور دفتر
"مطالعہ" ویکفیلڈ گنج، لدھیانہ سے شائع ہوئی۔